اے لوط! آپ پریشان نہ ہوں:

آخرکار پروردگار کے رسولوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی شدید پریشانی دیکھی اور دیکھا کہ وہ روحانی طور پر کس اضطراب کا شکار ہیں تو انہوں نے اپنے اسرار کار سے پردہ اٹھایا اور ان سے کہا: ''اے لوط: ہم تیرے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، پریشان نہ ہو مطمئن رہو کہ وہ ہرگز تم پر دسترس حاصل نہیں کر سکیں گے''۔ [۱]

قرآن میں دوسری جگہ پر ہے: وہ لوط کے مہمانوں کے بارے میں تجاوز کا ارادہ رکھتے تھے لیکن ہم نے ان کی آنکھیں اندھی کر دیں۔

یہ آیت نشاندہی کرتی ہے کہ اس وقت حملہ آور قوم پروردگار کے ارادے سے اپنی بینائی کھو بیٹھی تھی اور حملے کی طاقت نہیں رکھتی تھی بعض روایات میں بھی ہے کہ ایک فرشتے نے مٹھی بھر خاک ان کے چہروں پر پھینکی جس سے وہ نابینا ہو گئے۔

بہرحال جب لوط اپنے مہمانوں کے بارے میں ان کی ماموریت کے بارے میں آگاہ ہوئے تو یہ بات اس عظیم پیغمبر کے جلتے ہوئے دل کے لئے ٹھنڈک کی مانند تھی، ایک دم انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل سے غم کا بارگراں ختم ہو گیا ہے اور ان کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھیں، ایسا ہوا جیسے ایک شدید بیمار کی نظر مسیحا پر جا پڑے، انہوں نے سکھ کا سانس لیا اور سمجھ گئے کہ غم و اندوہ کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور اس بے شرم حیوان صفت قوم کے چنگل سے نجات پانے کا اور خوشی کا وقت آ پہنچا ہے۔

مہمانوں نے فوراً لوط علیہ السلام کو حکم دیا: تم تاریکی شب میں اپنے خاندان کو اپنے ساتھ لے لو اور اس سرزمین سے نکل جاؤ لیکن یہ پابندی ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص پس پشت نہ دیکھے۔'' [۲]

''اس حکم کی خلاف ورزی فقط تمہاری معصیت کار بیوی کرے گی کہ جو تمہاری گنہگار قوم کو پہنچنے والی مصیبت میں گرفتار ہوگی۔'' [۳]

کیا صبح قریب نہیں ہے؟

بالآخر انھوں نے لوط علیہ السلام سے آخری بات کہی: ''نزول عذاب کا لمحہ اور وعدہ کی تکمیل کا موقع صبح ہے اور صبح کی پہلی شعاع کے ساتھ ہی اس قوم کی زندگی غروب ہو جائے گی۔'' [۴]

ابھی اٹھ کھڑے ہو اور جتنا جلدی ممکن ہو شہر سے نکل جاؤ ''کیا صبح نزدیک نہیں ہے۔'' [۵]

---

[۱] سورہ ہود آیت 81

[۲] ''ولا یلتفت منکم احد'' کی تفسیر میں مفسرین نے چند احتمال ذکر کیے ہیں:
پہلا یہ کوئی شخص اپنی پس پشت نہ دیکھے۔
دوسرا یہ کہ شہر میں سے مال اور وسائل لے جانے کی فکر نہ کرے بلکہ صرف اپنے آپ کو اس ہلاکت سے نکال لے جائے۔
تیسرا یہ کہ اس خاندان کے اس چھوٹے سے قافلہ میں سے کوئی شخص پیچھے نہ رہ جائے۔
چوتھا یہ کہ تمہارے نکلنے کے وقت زمین ہلنے لگے گی اور عذاب کے آثار نمایاں ہو جائیں گے لہٰذا اپنے پس پشت نگاہ نہ کرنا اور جلدی سے دور نکل جانا۔
البتہ کوئی مانع نہیں ہے کہ یہ سب احتمالات اس آیت کے مفہوم میں جمع ہوں

[۳] سورہ ہود آیت 81

[۴] سورہ ہود آیت 81

[۵] سورہ ہود آیت 81

بعض روایات میں ہے کہ جب ملائکہ نے کہا کہ عذاب کے وعدہ پر عمل درآمد صبح کے وقت ہوگا تو حضرت لوط علیہ السلام کو جو اس آلودہ قوم سے سخت ناراحت اور پریشان تھے، وہی قوم کہ جس نے اپنے شرمناک اعمال سے ان کا دل مجروح کر رکھا تھا اور ان کی روح کو غم واندوہ سے بھر دیا تھا، فرشتوں سے خواہش کی کہ اب جب کہ ان کو نابود ہی ہونا ہے تو کیا ہی اچھا ہو کہ جلدی ایسا ہو لیکن انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی دلجوئی اور تسلی کے لئے کہا: کیا صبح نزدیک نہیں ہے؟

آخرکار عذاب کا لمحہ آن پہنچا اور لوط پیغمبر علیہ السلام کے انتظار کے لمحے ختم ہوئے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''جس وقت ہمارا فرمان آن پہنچا تو ہم نے اس زمین کو زیروزبر کردیا اور ان کے سروں پر مٹیلے پتھروں کی پیہم بارش برسائی۔'' [۱]

پتھروں کی یہ بارش اس قدر تیز اور پے درپے تھی کہ گویا پتھر ایک دوسرے پر سوار تھے۔ لیکن یہ معمولی پتھر نہ تھے بلکہ تیرے پروردگار کے یہاں معین اور مخصوص تھے ''مسومة عند ربك'' البتہ یہ تصور نہ کریں کہ یہ پتھر قوم لوط کے ساتھ ہی مخصوص تھے بلکہ ''یہ کسی ظالم قوم اور جمعیت سے دور نہیں ہیں۔'' [۲]

اس بے راہ رو اور منحرف قوم نے اپنے اوپر بھی ظلم کیا اور اپنے معاشرے پر بھی وہ اپنی قوم کی تقدیر سے بھی کھیلے اور انسانی ایمان واخلاق کا بھی مذاق اڑایا، جب ان کے ہمدرد رہبر نے دادوفریاد کی تو انہوں نے کان نہ دھرے اور تمسخر کیا اعلی ڈھٹائی، بے شرمی اور بے حیائی یہاں تک آ پہنچی کہ وہ اپنے رہبر کے مہمانوں کی حرمت وعزت پر تجاوز کے لئے بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ وہ لوگ تھے کہ جنہوں نے ہر چیز کو الٹ کر رکھ دیا ان کے شہروں کو بھی الٹ جانا چاہئے تھا فقط یہی نہیں کہ ان کے شہر تباہ وبرباد ہو جاتے بلکہ ان پر پتھروں کی بارش بھی ہونا چاہئے تھی تاکہ ان کے آخری آثار حیات بھی درہم وبرہم ہوجائیں اور وہ ان پتھروں میں دفن ہوجائیں اس سے کہ ان کا نام ونشان اس سرزمین میں نظر نہ آئے، صرف وحشت ناک، تباہ وبرباد بیابان، خاموش قبرستان اور پتھروں میں دبے ہوئے مردوں کے علاوہ ان میں کچھ باقی نہ رہے۔

کیا صرف قوم لوط علیہ السلام کو یہ سزا ملنی چاہئے نہیں، یقیناً ہرگز نہیں بلکہ ہر منحرف گروہ اور ستم پیشہ قوم کے لئے ایسا ہی انجام انتظار میں ہے کبھی سنگریزوں کی بارش کے نیچے، کبھی آگ اگلتے بموں کے نیچے اور کبھی معاشرے کے لئے تباہ کن اختلافات کے تحت خلاصہ یہ کہ ہر ستمگر کو کسی نہ کسی صورت میں ایسے عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا۔

صبح کے وقت نزول عذاب کیوں؟

یہاں پر ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نزول عذاب کے لئے صبح کا وقت کیوں منتخب کیا گیا رات کے وقت ہی عذاب کیوں نازل نہیں ہوا؟

ایسا اس لئے تھا کہ جب حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پر چڑھ آنے والے افراد اندھے ہوگئے اور قوم کے پاس لوٹ کر گئے اور واقعہ بیان کیا تو وہ کچھ غور وفکر کرنے لگے، معاملہ کیا ہے خدا نے صبح تک انہیں مہلت دی کہ شاید بیدار ہوجائیں اور اس کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں اور توبہ کریں یا یہ کہ خدا نہیں چاہتا تھا کہ رات کی تاریکی میں ان پر شب خون مارا جائے اسی بناء پر حکم دیا کہ صبح تک مامور عذاب سے ہاتھ روکے رکھیں۔ تفاسیر میں اس کے بارے میں تقریباً کچھ نہیں لکھا گیا لیکن جو کچھ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ اس

---

[۱] سورہ ہود آیت 82

[۲] سورہ ہود آیت 83

سلسلے میں پند قابل مطالعہ احتمالات ہیں۔

زیروزبر کیوں کیا گیا

ہم کہہ چکے ہیں کہ عذاب کی گناہ سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہونا چاہئے، اس قوم نے انحراف جنسی کے ذریعہ چونکہ ہر چیز کو الٹ پلٹ کر دیا تھا لہٰذا خدا نے بھی ان شہروں کو زیروزبر کر دیا اور چونکہ روایات کے مطابق ان کے منہ سے ہمیشہ رکیک اور گندی گندگی کی بارش ہوتی تھی لہٰذا خدا نے بھی ان پر پتھروں کی بارش برسائی

جس نکتے کا ہم آخر میں ذکر ضروری سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ جنسی انحراف کی طرف افراد کے میلان کے بہت سے علل واسباب ہیں یہاں تک کہ بعض اوقات ماں باپ کا اپنی اولاد سے سلوک یا ہم جنس اولاد کی نگرانی نہ کرنا، ان کے طرز معاشرت اور ایک ہی جگہ پر سونا وغیرہ بھی ہوسکتا ہے اس آلودگی کا ایک عامل بن جائے۔

بعض اوقات ممکن ہے کہ اس انحراف سے ایک اور اخلاقی انحراف جنم لے لے، یہ امر قابل توجہ ہے کہ قوم لوط کے حالات میں ہے کہ ان کے اس گناہ میں آلودہ ہونے کا ایک سبب یہ تھا کہ وہ بخیل اور کنجوس لوگ تھے اور چونکہ ان کے شہر شام جانے والے قافلوں کے راستے میں پڑتے تھے اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کی پذیرائی کریں لہٰذا ابتداء میں وہ اس طرح ظاہر کرتے تھے کہ وہ چاہتے تھے کہ مہمانوں اور مسافروں کو اپنے سے دور بھگائیں لیکن تدریجاً یہ عمل ان کی عادت بن گیا اور انحراف جنسی کے میلانات آہستہ آہستہ ان کے وجود میں بیدار ہوگئے اور معاملہ یہاں تک جا پہنچا کہ وہ سر سے لے کر پاؤں تک اس میں آلودہ ہوگئے۔[1]

قوم لوط علیہ السلام کا اخلاق

اسلامی روایات وتواریخ میں جنسی انحراف کے ساتھ ساتھ قوم لوط علیہ السلام کے برے اور شرمناک اعمال اور گھٹیا کردار بھی بیان ہوا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ان کی مجالس اور بیٹھکیں طرح طرح کے منکرات اور برے اعمال سے آلودہ تھیں وہ آپس میں رکیک جملوں، فحش کلامی اور پھبتیوں کا تبادلہ کرتے تھے ایک دوسرے کی پشت پر مکے مارتے تھے قمار بازی کرتے تھے بچوں والے کھیل کھیلتے تھے گزرنے والوں کو کنکریاں مارتے تھے طرح طرح کے آلات موسیقی استعمال کرتے تھے اور لوگوں کے سامنے برہنہ ہوجاتے تھے اور اپنی شرمگاہوں کو ننگا کر دیتے تھے۔

واضح ہے کہ اس قسم کے گندے ماحول میں ہر روز انحراف اور بدی نئی شکل میں رونما ہوتی ہے اور وسیع سے وسیع تر ہوتی چلی جاتی ہے ایسے ماحول میں اصولی طور پر برائی کا تصور ختم ہوجاتا ہے اور لوگ اس طرح سے اس راہ پر چلتے ہیں کہ کوئی کام ان کی نظر میں برا اور قبیح نہیں رہتا ان سے زیادہ بدبخت وہ قومیں ہیں جو علم کی پیش رفت کے زمانے میں انہی راہوں پر گامزن ہیں، بعض اوقات تو ان کے اعمال اس قدر شرمناک اور رسوا کن ہوتے ہیں کہ قوم لوط کے اعمال بھول جاتے ہیں۔

---

[1] یہاں تک کے فضول قسم کا مذاق جو کبھی کبھی لڑکوں کے درمیان اپنے ہم جنسوں کے بارے میں ہوتا ہے بعض اوقات ان انحرافات کی طرف کھینچ لے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافروں کے لئے مثال

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے ''خدانے کافروں کے لئے ایک مثال بیان کی ہے'' نوح علیہ السلام کی بیوی کی مثال اور لوط علیہ السلام کی بیوی کی مثال'' وہ دونوں ہمارے دوصالح بندوں کے ماتحت تھیں لیکن انہوں نے ان سے خیانت کی، لیکن ان دو عظیم پیغمبروں سے ان کے ارتباط نے عذاب الٰہی کے مقابلہ میں انہیں کوئی نفع نہیں دیا اور ان سے کہا گیا کہ تم بھی آگ میں داخل ہونے والے لوگوں کے ساتھ آگ میں داخل ہوجاؤ۔''[1]

حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام ''والھہ'' اور حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کا نام ''والعۃ'' تھا اور بعض نے اس کے برعکس لکھا ہے یعنی نوح کی بیوی کا نام ''والعۃ'' اور لوط کی بیوی کا نام ''والھہ'' یا ''واہلہ'' کہا ہے۔

بہر حال ان دونوں عورتوں نے ان دونوں عظیم پیغمبروں کے ساتھ خیانت کی، البتہ ان کی خیانت جائدہ عفت سے انحراف ہرگز نہیں تھا کیونکہ کسی پیغمبر کی بیوی ہرگز بے عفتی سے آلودہ نہیں ہوتی جیسا کہ پیغمبر اسلام سے ایک حدیث میں صراحت کے ساتھ بیان ہوا ہے: ''کسی بھی پیغمبر کی بیوی ہرگز منافی عفت عمل سے آلودہ نہیں ہوئی''۔

حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کی خیانت یہ تھی کہ وہ اس پیغمبر کے دشمنوں کے ساتھ تعاون کرتی تھی اور ان کے گھر کے راز نہیں بتاتی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی بھی ایسی ہی تھی۔

حضرت یوسف علیہ السلام اور یعقوب علیہما السلام

داستان عشق یا پاکیزگی کا بہترین سبق

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کو بیان کرنے سے پہلے چند چیزوں کا بیان کرنا ضروری ہے:

1۔ بے ہدف داستان پردازوں یا پست اور غلیظ مقاصد رکھنے والوں نے اس اصلاح کنندہ واقعہ کو ہوس بازوں کے لئے ایک عاشقانہ داستان بنانے اور حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے واقعات کے حقیقی چہرے کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے، یہاں تک کہ انھوں نے اسے ایک رومانی فلم بنا کر پردہ سیمیں پر پیش کرنا چاہا ہے، لیکن قرآن مجید نے کہ جس کی ہر چیز نمونہ اور اسوہ ہے اس واقعے کے مختلف مناظر سے پیش کرتے ہوئے اعلیٰ ترین عفت و پاکدامنی، خودداری، تقویٰ، ایمان اور ضبط نفس کے درس دیئے ہیں اس طرح سے کہ ایک شخص اسے جتنی مرتبہ بھی پڑھے ان قوی جذبوں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

اسی بنا پر قرآن نے اسے ''احسن القصص'' (بہترین داستان) جیسا خوبصورت نام دیا ہے اور اس میں صاحبان فکر ونظر کے لئے متعدد عبرتیں بیان کی ہیں۔

قہرمان پاکیزگی

2۔ اس واقعہ میں غور وفکر سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ قرآن تمام پہلوؤں سے معجزہ ہے اور اپنے واقعات میں جو ہیرو پیش کرتا ہے وہ حقیقی ہیرو ہوتے ہیں نہ کہ خیالی۔ کہ جن میں سے ہر ایک اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے نظیر ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام، وہ بت شکن ہیرو، جن کی روح بلند تھی اور جو طاغوتیوں کی کسی سازش میں نہ آئے۔

---

[1] سورہ تحریم آیت 10

حضرت نوح علیہ السلام،طویل اور پر برکت عمر میں ۔صبر واستقامت، پامردی اور دلسوزی کے ہیرو بنے۔
حضرت موسیٰ علیہ السلام وہ ہیرو کہ جنہوں نے ایک سرکش اور عصیان گر طاغوت کے مقابلے کے لئے ایک ہٹ دھرم قوم کو تیار کر لیا۔
حضرت یوسف علیہ السلام ؛ایک خوبصورت،ہوس باز اور حیلہ گر عورت کے مقابلے میں پاکیزگی، پارسائی اور تقویٰ کے ہیرو بنے۔

علاوہ ازیں اس واقعے میں قرآنی وحی کی قدرت بیان اس طرح جھلکتی ہے کہ انسان حیرت زدہ ہو جاتا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کئی مواقع پر یہ واقعہ عشق کے بہت ہی باریک مسائل تک جا پہنچتا ہے اور قرآن انہیں چھوڑ کر ایک طرف سے گزرے بغیر ان تمام مناظر کو ان کی باریکیوں کے ساتھ اس طرح سے بیان کرتا ہے کہ سامع میں ذرہ بھر منفی اور غیر مطلوب احساس پیدا نہیں ہوتا۔قرآن تمام واقعات کے تن سے گزرتا ہے لیکن تمام مقامات پر تقویٰ و پاکیزگی کی قوی شعاعوں نے مباحث کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد

3۔اس میں شک نہیں کہ قبل از اسلام بھی داستان یوسفؑ لوگوں میں مشہور تھی کیونکہ توریت میں سفر پیدائش کی چودہ فصلوں (فصل 37 تا 50) میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے۔البتہ ان چودہ فصلوں کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ توریت میں جو کچھ ہے وہ قرآن سے بہت ہی مختلف ہے۔ان اختلافات کے موازنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کچھ قرآن میں آیا ہے وہ کس حد تک پیراستہ اور ہر قسم کے خرافات سے پاک ہے۔یہ جو قرآن پیغمبر سے کہتا ہے:''اس سے پہلے آپ کو علم نہیں تھا،،اس عبرت انگیز داستان کی خالص واقعیت سے ان کی عدم آگہی کی طرف اشارہ ہے''(اگر احسن القصص سے مراد واقعہ یوسفؑ ہو)۔
موجودہ توریت سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب حضرت یوسف علیہ السلام کی خون آلود قمیص دیکھی تو کہا:''یہ میرے بیٹے کی قبا ہے جسے جانور نے کھا لیا ہے یقیناً یوسفؑ چیر پھاڑ ڈالا گیا ہے۔''
پھر یعقوبؑ نے اپنا گریبان چاک کیا ٹاٹ اپنی کمر سے باندھا اور مدت دراز تک اپنے بیٹے کے لئے گریہ کرتے رہے،تمام بیٹوں اور بیٹیوں نے انہیں تسلی دینے میں کسر اٹھا نہ رکھی لیکن انہیں قرار نہ آیا اور کہا کہ میں اپنے بیٹے کے ساتھ اسی طرح غمزدہ قبر میں جاؤں گا۔
جبکہ قرآن کہتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنی فراست سے بیٹوں کے جھوٹ کو بھانپ گئے اور انہوں نے اس مصیبت میں داد و فریاد نہیں کی اور نہ اضطراب دکھایا بلکہ جیسا کہ انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اس مصیبت کا بڑے صبر سے سامنا کیا اگر چہ ان کا دل جل رہا تھا، آنکھیں اشکبار تھیں،فطری طور پر کثرت گریہ سے ان کی بینائی جاتی رہی۔لیکن قرآن کی تعبیر کے مطابق انہوں نے صبر جمیل کا مظاہرہ کیا اور اپنے اوپر قابو رکھا (کظیمة) انہوں نے گریبان چاک کرنے، داد و فریاد کرنے اور پھٹے پرانے کپڑے پہننے سے گریز کیا جو کہ عزاداری کی مخصوص علامات تھیں۔
بہر حال اسلام کے بعد بھی یہ واقعہ مشرق مغرب کے مؤرخین کی تحریروں میں بعض اوقات حاشیہ آرائی کے ساتھ آیا ہے فارسی اشعار میں سب سے پہلے''یوسفؑ زلیخا،،کے قصے کی نسبت فردوسی کی طرف دی جاتی ہے اس کے بعد شہاب الدین عمق اور مسعودی قمی کی''یوسفؑ زلیخا'' ہے اور ان کے بعد نویں صدی کے مشہور شاعر عبدالرحمٰن جامی کی''یوسفؑ زلیخا'' ہے۔

احسن القصص

4۔قرآن میں داستان یوسفؑ کوشروع کرتے ہوئے خدا فرماتا ہے:''ہم اس قرآن کے ذریعہ (جو آپ پر وحی ہوتی ہے)،کے ذریعہ''احسن القصص''بیان کرتے ہیں''۔[1]

یہ واقعہ کیسے بہترین نہ ہو جب کہ اس کے ہیجان انگیز پیچ وخم میں زندگی کے اعلیٰ ترین دروس کی تصویر کشی کی گئی ہے۔اس واقعے میں ہر چیز پر خدا کے ارادے کی حاکمیت کا ہم اچھی طرح مشاہدہ کرتے ہیں۔

حسد کرنے والوں کا منحوس انجام ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اوران کی سازشوں کونقش بر آب ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

بے عفتی کی عاروننگ اور پارسائی وتقویٰ کی عظمت وشکوہ اس کی سطور میں ہم مجسم پاتے ہیں کنویں کی گہرائی میں ایک ننھے بچے کی تنہائی،زندان کی تاریک کوٹھری میں ایک بے گناہ قیدی کے شب وروز ،یاس وناامیدی کے سیاہ پردوں کے پیچھے نورامید کی تجلی اورآخر کارایک وسیع حکومت کی عظمت وشکوہ کہ جو آگاہی وامانت کا نتیجہ ہے یہ تمام چیزیں اس داستان میں انسان کی آنکھوں کے سامنے ساتھ ساتھ گزرتی ہیں۔

وہ لمحے کہ جب ایک معنی خیز خواب سے ایک قوم کی سرنوشت بدل جاتی ہے۔

وہ وقت کہ جب ایک قوم کی زندگی ایک بیدار خدائی زمام دار کے علم وآگہی کے زیرسایہ نابودی سے نجات پالیتی ہے۔

اورایسے ہی دسیوں درس،جس داستان میں موجود ہوں وہ کیوں نہ''احسن القصص''ہو۔

البتہ یہی کافی نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان''احسن القصص''ہے اہم بات یہ ہے کہ ہم میں یہ لیاقت ہو کہ یہ عظیم درس ہماری روح میں اتر جائے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں جوحضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کوایک اچھے رومانوی واقعہ کے عنوان سے دیکھتے ہیں،ان جانوروں کی طرح جنھیں ایک سرسبز وشاداب اورپھل پھول سے لدے ہوئے باغ میں صرف کچھ گھاس نظر پڑتی ہے کہ جوان کی بھوک کو زائل کردے۔

ابھی تک بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ جو اس داستان کوجھوٹے پر وبال دے کرکوشش کرتے ہیں کہ اس سے ایک سیکسی (sexsi)داستان بنالیں جب کہ اس واقعہ کے لئے یہ بات ناشائستہ ہے اوراصل داستان میں تمام اعلیٰ انسانی قدریں جمع ہیں آئندہ صفحات میں ہم دیکھیں گے کہ اس واقعہ کے جامع خوبصورت پیچ وخم کونظرانداز کرکے نہیں گزرا جاسکتا ایک شاعر شیریں سخن کے بقول:

''کبھی کبھی اس داستان کے پرکشش پہلوؤں کی مہک انسان کواس طرح سرمست کردیتی ہے کہ وہ بےخود ہوجاتا ہے۔''

امید کی کرن اورمشکلات کی ابتداء

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کا آغاز قرآن ان کے عجیب اورمعنی خیز خواب سے کرتا ہے کیونکہ یہ خواب دراصل حضرت یوسف علیہ السلام کی تلاطم خیز زندگی کا پہلا موڑ شمار ہوتا ہے۔

ایک دن صبح سویرے آپ بڑے شوق اوروارفتگی سے باپ کے پاس آئے اورانہیں ایک نیا واقعہ سنایا جوظاہراً کوئی زیادہ

---

[1] سورہ یوسف آیت 3

اہم نہ تھا لیکن درحقیقت ان کی زندگی میں ایک تازہ باب کھلنے کا پتہ دے رہا تھا۔

''یوسفؑ نے کہا: ابا جان: ! میں نے کل رات گیارہ ستاروں کو دیکھا کہ وہ آسمان سے نیچے اترے سورج اور چاند ان کے ہمراہ تھے سب کے سب میرے پاس آئے اور میرے سامنے سجدہ کیا۔''[۱]

حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب شب جمعہ دیکھا تھا کہ جو شب قدر بھی تھی (وہ رات جو مقدرات کے تعین کی رات ہے)۔

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جب یہ خواب دیکھا اس وقت آپ کی عمر کتنے سال تھی اس سلسلے میں بعض نے نو سال بعض نے بارہ سال اور بعض نے سات سال عمر لکھی ہے جو بات مسلم ہے وہ یہ ہے کہ اس وقت آپ بہت کم سن تھے۔

اس ہیجان انگیز اور معنی خیز خواب پر خدا کے پیغمبر یعقوبؑ فکر میں ڈوب گئے کہ سورج، چاند اور آسمان کے گیارہ ستارے، وہ گیارہ ستارہ نیچے اترے اور میرے بیٹے یوسفؑ کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔

یہ کس قدر معنی آفریں ہے یقیناً سورج اور چاند میں اور اس کی ماں (یا میں اور اس کی خالہ) ہیں اور گیارہ ستارے اس کے بھائی ہیں میرے بیٹے کی قدر و منزلت اور مقام اس قدر بلند ہوگا کہ آسمان کے ستارے، سورج اور چاند اس کے آستانہ پر جبیں سائی کریں گے یہ بارگاہ الٰہی میں اس قدر عزیز اور باوقار ہوگا کہ آسمان والے بھی اس کے سامنے خضوع کریں گے کتنا پر شکوہ اور پر کشش خواب ہے۔

لہٰذا پریشانی اور اضطراب کے انداز میں کہ جس میں ایک مسرت بھی تھی، اپنے بیٹے سے کہنے لگے ''میرے بیٹے: اپنا یہ خواب بھائیوں کو نہ بتانا، کیونکہ وہ تیرے خلاف خطرناک سازش کریں گے، میں جانتا ہوں کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔[۲]

وہ موقع کی تاڑ میں ہے تاکہ اپنے وسوسوں کا آغاز کرے، کینہ و حسد کی آگ بھڑکائے یہاں تک کہ بھائیوں کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دے۔ لیکن یہ خواب صرف مستقبل میں یوسفؑ کے مقام کی ظاہری و مادی عظمت بیان نہیں کرتا تھا بلکہ نشاندہی کرتا تھا کہ وہ مقام نبوت تک بھی پہنچیں گے کیونکہ آسمان والوں کا سجدہ کرنا آسمانی مقام کے بلندی پر پہنچنے کی دلیل ہے اسی لئے تو ان کے پدر بزرگوار حضرت یعقوب علیہ السلام نے مزید کہا: ''اور اس طرح تیرا پروردگار تجھے منتخب کرے گا اور تجھے تعبیر خواب کا علم دے گا اور اپنی نعمت تجھ پر اور آل یعقوبؑ پر تمام کرے گا، جیسے اس نے قبل ازیں تیرے باپ ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر تمام کی۔ ہاں! تیرا پروردگار عالم ہے اور حکمت کے مطابق کام کرتا ہے۔''[۳]

بھائیوں کی سازش

یہاں سے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی یوسف علیہ السلام کے خلاف سازش شروع ہوتی ہے، قرآن میں ان بہت سے اصلاحی دروس کی طرح اشارہ کیا گیا ہے جو اس داستان میں موجود ہیں، ارشاد ہوتا ہے: ''یقیناً یوسفؑ اور اس کے بھائیوں کی داستان میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں تھیں۔''[۴]

---

[۱] سورہ یوسف آیت 4

[۲] سورہ یوسف آیت 5

[۳] سورہ یوسف آیت 6

[۴] سورہ یوسف آیت 7

اس سے بڑھ کر اور کیا درس ہوگا کہ چند طاقتور افراد ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت کہ جس کا سرچشمہ حسد تھا ظاہراً ایک کمزور اور تنہا شخص کو نابود کرنے کے لئے اپنی تمام تر کوشش صرف کرتے ہیں مگر اس کام سے انہیں خبر نہیں ہوتی کہ وہ اسے ایک حکومت کے تخت پر بٹھا رہے ہیں اور ایک وسیع مملکت کا فرماں روا بنا رہے ہیں اور آخر کار وہ سب اس کے سامنے سر تعظیم و تسلیم خم کرتے ہیں یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ جب خدا کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اتنی طاقت رکھتا ہے کہ اس کام کو اس کے مخالفین کے ہاتھوں پایۂ تکمیل تک پہنچا دے تا کہ یہ واضح ہو جائے گا کہ ایک پاک اور صاحب ایمان انسان اکیلا نہیں ہے اور اگر سارا جہان اس کی نابودی پر کمر باندھ لے لیکن خدا نہ چاہے تو کوئی اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے ان میں یوسفؑ اور بنیامین ایک ماں سے تھے ان کی والدہ کا نام ''راحیل'' تھا یعقوب علیہ السلام ان دونوں بیٹوں سے خصوصاً یوسفؑ سے زیادہ محبت کرتے تھے کیونکہ ایک تو یہ ان کے چھوٹے بیٹے تھے لہٰذا فطرتاً زیادہ توجہ اور محبت کے محتاج تھے اور دوسرا ان کی والدہ ''راحیل'' فوت ہو چکی تھیں اس بناء پر بھی انہیں زیادہ توجہ اور محبت کی ضرورت تھی علاوہ ازیں خصوصیت کے ساتھ حضرت یوسف علیہ السلام میں نابغہ اور غیر معمولی شخصیت ہونے کے آثار نمایاں تھے؟ مجموعی طور پر ان سب باتوں کی بناء پر حضرت یعقوب علیہ السلام واضح طور پر ان سے زیادہ پیار محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

حاسد بھائیوں کی توجہ ان پہلوؤں کی طرف نہیں تھی اور وہ اس پر بہت ناراحت اور ناراض تھے۔ خصوصاً شاید ماؤں کے الگ الگ ہونے کی وجہ سے بھی فطرتاً ان میں رقابت موجود تھی لہٰذا وہ اکٹھے ہوئے اور کہنے لگے: ''یوسفؑ اور اس کے بھائی کو باپ ہم سے زیادہ پیار کرتا ہے حالانکہ ہم طاقتور اور مفید لوگ ہیں۔'' [۱]

اور باپ کے امور کو بہتر طور پر چلا سکتے ہیں اس لئے اسے ان چھوٹے بچوں کی نسبت ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے جب کہ ان سے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا، اس طرح یک طرفہ فیصلہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنے باپ کے خلاف کہا کہ ''ہمارا باپ واضح گمراہی میں ہے۔'' [۲]

حسد اور کینے کی آگ نے انہیں اجازت نہ دی کہ وہ معاملے کے تمام اطراف پر غور و فکر کرتے اور ان دو بچوں سے اظہار محبت پر باپ کے دلائل معلوم کرتے کیونکہ ہمیشہ ذاتی مفادات ہر شخص کی فکر پر پردہ ڈال دیتے ہیں اور اسے یک طرفہ فیصلوں پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ جن کا نتیجہ حق و عدالت کے راستے سے گمراہی ہے۔ البتہ ان کی مراد دین و مذہب کے اعتبار سے گمراہی نہ تھی کیونکہ بعد میں آنے والی گفتگو نشاندہی کرتی ہے کہ اپنے باپ کی عظمت اور نبوت پر ان کا عقیدہ تھا اور انہیں صرف ان کے طرز معاشرت پر اعتراض تھا۔

یوسفؑ کو قتل کر دیا جائے

بغض، حسد اور کینے کے جذبات نے آخر کار بھائیوں کو ایک منصوبہ بنانے پر آمادہ کیا وہ ایک جگہ جمع ہوئے اور دو تجاویز ان کے سامنے تھیں کہنے لگے: ''یا یوسفؑ کو قتل کر دو یا اسے دور دراز کے کسی علاقے میں پھینک آؤ تا کہ باپ کی محبت کا پورا رخ ہماری طرف ہو جائے''۔ [۳]

---

[۱] سورہ یوسف آیت 8

[۲] سورہ یوسف آیت 8

[۳] سورہ یوسف آیت 9

یہ ٹھیک ہے کہ اس کام پر تمہیں احساس گناہ ہوگا اور وجدان کی ندامت ہوگی کیونکہ اپنے چھوٹے بھائی پر یہ ظلم کرو گے لیکن اس گناہ کی تلافی ممکن ہے، توبہ کرلینا'' اور اس کے بعد صالح جمعیت بن جانا''۔[۱]

لیکن بھائیوں میں سے ایک بہت سمجھدار تھا یا اس کا ضمیر نسبتاً زیادہ بیدار تھا اسی لئے اس نے یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے کے منصوبے کی مخالفت کی اور اسی طرح کسی دور دراز علاقے میں پھینک آنے کی تجویز پیش کی، کیونکہ اس منصوبے میں یوسف علیہ السلام کی ہلاکت کا خطرہ تھا۔ اس نے ایک تیسرا منصوبہ پیش کیا، وہ کہنے لگا: ''اگر تمہیں ایسا کام کرنے پر اصرار ہی ہے تو یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو بلکہ اسے کسی کنویں میں پھینک دو (اس طرح سے کہ وہ زندہ رہے) تاکہ راہ گزاروں کے کسی قافلے کے ہاتھ لگ جائے اور وہ اسے اپنے ساتھ لے جائیں اور اس طرح یہ ہماری اور باپ کی آنکھوں سے دور ہو جائے''۔[۲]

منحوس سازش

یوسفؑ کے بھائیوں نے جب یوسفؑ کو کنویں میں ڈالنے کی آخری سازش پر اتفاق کرلیا تو یہ سوچنے لگے کہ یوسفؑ کو کس طرح لے کر جائیں لہٰذا اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک اور منصوبہ تیار کیا اس کے لئے وہ باپ کے پاس آئے اور اپنا حق جتانے کے انداز میں، نرم و نازک لہجے میں محبت بھرے شکوے کی صورت میں کہنے لگے: ''بابا جان: آپ یوسفؑ کو کیوں کبھی اپنے سے جدا نہیں کرتے اور ہمارے سپرد نہیں کرتے آپ ہمیں بھائی کے بارے میں امین کیوں نہیں سمجھتے حالانکہ ہم یقیناً اس کے خیر خواہ ہیں''۔[۳]

''آیئے: جس کا آپ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اسے جانے دیجئے، علاوہ ازیں ہمارا بھائی نوعمر ہے، اس کا بھی حق ہے اسے بھی شہر سے باہر کی آزاد فضا میں گھومنے پھرنے کی ضرورت ہے اسے گھر کے اندر قید کردینا درست نہیں کل اسے ہمارے ساتھ بھیجئے تاکہ یہ شہر سے باہر نکلے، چلے پھرے، درختوں کے پھل کھائے، کھیلے کودے اور سیر و تفریح کرے''۔[۴]

اور اگر آپ کو اس کی سلامتی کا خیال ہے اور پریشانی ہے'' تو ہم سب اپنے بھائی کے محافظ و نگہبان ہوں گے''۔[۵]

کیونکہ آخر یہ ہمارا بھائی ہے اور ہماری جان کے برابر ہے۔ اس طرح انہوں نے بھائی کو باپ سے جدا کرنے کا بڑا ماہرانہ منصوبہ تیار کیا، ہوسکتا ہے انہوں نے یہ باتیں یوسفؑ کے سامنے کی ہوں تاکہ وہ بھی باپ سے تقاضا کریں اور ان سے صحرا کی طرف جانے کی اجازت لے لیں۔

اس منصوبہ میں ایک طرف باپ کے لئے انہوں نے یہ مشکل پیدا کردی تھی کہ اگر وہ یوسفؑ کو ہمارے سپرد نہیں کرتے تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ہمیں متہم سمجھتے ہیں اور دوسری طرف کھیل کود اور سیر و تفریح کے لئے شہر سے باہر جانے کی یوسفؑ کے لئے تحریک تھی۔

کنعان کے بھیڑیے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے برادران یوسفؑ کی باتوں کے جواب میں بجائے اس کے کہ انہیں برے ارادے کا الزام دیتے،

---

[۱] سورہ یوسف آیت 9

[۲] سورہ یوسف آیت 10

[۳] سورہ یوسف آیت 11

[۴] سورہ یوسف آیت 12

[۵] سورہ یوسف آیت 12

کہنے لگے کہ میں جو تمہارے ساتھ یوسفؑ کو بھیجنے پر تیار نہیں ہوں تو اس کی دو وجوہ ہیں: ''پہلی یہ کہ یوسفؑ کی جدائی میرے لئے غم انگیز ہے''۔[۱] اور دوسری یہ کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے اردگرد کے بیابانوں میں خونخوار بھیڑیئے ہوں'' اور مجھے ڈر ہے کہ مبادا کوئی بھیڑیا میرے فرزند دلبند کو کھا جائے اور تم اپنے کھیل کود، سیر و تفریح اور دوسرے کاموں میں مشغول رہو''۔[۲]

یہ بالکل فطری امر تھا کہ اس سفر میں بھائی اپنے آپ میں مشغول ہوں اور اپنے چھوٹے بھائی سے غافل ہوں اور بھیڑیوں سے بھرے اس بیابان میں کوئی بھیڑیا یوسفؑ کو اٹھائے البتہ بھائیوں کے پاس باپ کی پہلی دلیل کا کوئی جواب نہ تھا کیونکہ یوسفؑ کی جدائی کا غم ایسی چیز نہ تھی کہ جس کی وہ تلافی کرسکتے بلکہ شاید اس بات نے بھائیوں کے دل میں حسد کی آگ کو اور بھڑکا دیا ہو۔

دوسری طرف بیٹے کو باہر لے جانے کے بارے میں باپ کی دلیل کا جواب تھا کہ جس کے ذکر کی چنداں ضرورت نہ تھی اور وہ یہ کہ آخرکار بیٹے کو نشوونما اور تربیت کے لئے چاہتے ہوئے یا نہ چاہتے ہوئے باپ سے جدا ہونا ہے اور اگر وہ ''نورستہ'' کے پودے کی طرح ہمیشہ باپ کے زیر سایہ رہے تو نشوونما نہیں پاسکے گا اور بیٹے کے تکامل وارتقاء کے لئے باپ مجبور ہے کہ یہ جدائی برداشت کرے آج کھیل کود ہے کل تحصیل علم و دانش ہے پرسوں زندگی کے لئے کسب و کار اور سعی و کوشش ہے آخرکار جدائی ضروری ہے۔

لہٰذا اصلاً انہوں نے اس کا جواب نہیں دیا بلکہ دوسری دلیل کا جواب شروع کیا کہ جوان کی نگاہ میں اہم اور بنیادی تھی اور کہنے لگے: ''کیسے ممکن ہے کہ ہمارے بھائی کو بھیڑیا کھا جائے حالانکہ ہم طاقتور لوگ ہیں اگر ایسا ہوجائے تو ہم زیاں کار و بدبخت ہوں گے''[۳]

یعنی کیا ہم مردہ ہیں کہ بیٹھ جائیں اور دیکھتے رہیں گے اور بھیڑیا ہمارے بھائی کو کھا جائے گا، بھائی کو بھائی سے جو تعلق ہوتا ہے اس کے علاوہ جو بات اس کی حفاظت پر ہمیں ابھارتی ہے یہ ہے کہ ہماری لوگوں میں عزت و آبرو ہے، لوگ ہمارے متعلق کیا کہیں گے، یہی نا کہ طاقتور موٹی گردنوں والے بیٹھے رہے اور اپنے بھائی پر بھیڑیئے کو حملہ کرتے دیکھتے رہے کیا پھر ہم لوگوں میں جینے کے قابل رہیں گے۔[۴]

انہوں نے ضمناً باپ کی اس بات کا بھی جواب دیا کہ ہوسکتا ہے تم کھیل کود میں لگ جاؤ اور یوسفؑ سے غافل ہوجاؤ اور وہ یہ کہ یہ مسئلہ گویا ساری دولت اور عزت و آبرو کے ضائع ہونے کا ہے ایسا مسئلہ نہیں ہے کہ کھیل کود ہمیں غافل کردے کیونکہ اس صورت میں ہم لوگ بے وقعت ہوجائیں گے اور ہماری کوئی قدر و قیمت نہیں ہوگی۔

بہرحال انہوں نے بہت حیلے کئے خصوصاً حضرت یوسف علیہ السلام کے معصوم جذبات کو تحریک کیا اور انہیں شوق دلایا کہ وہ شہر سے باہر تفریح کے لئے جائیں اور شاید یہ ان کے لئے پہلا موقع تھا کہ وہ باپ کو اس کے لئے راضی کریں اور بہرصورت اس کام کے

---

[۱] سورہ یوسف آیت 13

[۲] سورہ یوسف آیت 13

[۳] سورہ یوسف آیت 14

[۴] یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ تمام خطرات میں سے حضرت یعقوب علیہ السلام نے صرف بھیڑیئے کے حملے کے خطرے کی نشاندہی کیوں کی تھی۔
بعض کہتے ہیں کہ کنعان کا بیابان بھیڑیوں کا مرکز تھا، اس لئے زیادہ خطرہ اسی طرف سے محسوس ہوتا تھا۔
بعض دیگر کہتے ہیں کہ یہ ایک خواب کی وجہ سے تھا کہ جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے پہلے دیکھا تھا کہ بھیڑیوں نے ان کے بیٹے یوسفؑ پر حملہ کردیا ہے۔
یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنائے کی زبان میں بات کی تھی اور ان کی نظر بھیڑیا صفت انسانوں کی طرف تھی، جیسے یوسف کے بعض بھائی تھے۔

لئے ان کی رضامندی حاصل کریں۔
یہ احتمال بھی ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنائے کی زبان میں بات کی تھی اور ان کی نظر بھیڑیا صفت انسانوں کی طرف تھی، جیسے یوسفؑ کے بعض بھائی تھے۔

روتے ہوئے جناب یوسف علیہ السلام کو وداع کیا

آخرکار بھائی کامیاب ہو گئے۔ انہوں نے باپ کو راضی کر لیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دے۔ وہ رات انہوں نے اس خوش خیالی کے ساتھ گزاری کہ کل یوسف علیہ السلام کے بارے میں ان کا منصوبہ عملی شکل اختیار کرے گا اور راستے کی رکاوٹ اس بھائی کو ہمیشہ کے لئے راستے سے ہٹا دیں گے۔ پریشانی انہیں صرف یہ تھی کہ باپ پشیمان نہ ہو اور اپنی بات واپس نہ لے لے۔
صبح سویرے وہ باپ کے پاس گئے اور یوسف علیہ السلام کی حفاظت کے بارے میں باپ نے ہدایات دہرائیں۔ انہوں نے بھی اظہار اطاعت کیا۔ باپ کے سامنے اسے بڑی محبت و احترام سے اٹھایا اور چل پڑے۔
کہتے ہیں شہر کے دروازے تک باپ ان کے ساتھ آئے اور آخری دفعہ یوسف علیہ السلام کو ان سے لے کر اپنے سینے سے لگایا۔ آنسو ان کی آنکھوں سے برس رہے تھے۔ پھر یوسف علیہ السلام کو ان کے سپرد کر کے ان سے جدا ہو گئے لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں اسی طرح بیٹوں کے پیچھے تھیں۔ جہاں تک باپ کی آنکھیں کام کرتی تھیں وہ بھی یوسف علیہ السلام پر نوازش اور محبت کرتے رہے لیکن جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب باپ انہیں نہیں دیکھ سکتا تو اچانک انہوں نے آنکھیں پھیر لیں۔ سالہا سال سے حسد کی وجہ سے جو ان کے اندر تہ بہ تہ بغض و کینہ موجود تھا وہ حضرت یوسف علیہ السلام پر نکلنے لگا۔ ہر طرف سے اسے مارنے لگے وہ ایک سے بچ کر دوسرے کی پناہ لیتے لیکن کوئی انہیں پناہ نہ دیتا۔

یوسف علیہ السلام کی ہنسی اور ان کا رونا

ایک روایت میں ہے کہ اس طوفان بلا میں حضرت یوسف علیہ السلام آنسو بہا رہے تھے اور جب وہ انہیں کنویں میں پھینکنے لگے تو اچانک حضرت یوسف علیہ السلام ہنسنے لگے، بھائیوں کو بہت تعجب ہوا یہ ہنسنے کا کونسا مقام ہے گویا یوسفؑ نے اس مسئلے کو مذاق سمجھا ہے اور بات سے بے خبر ہے کہ سیاہ وقت اور بدبختی اس کے انتظار میں ہے لیکن یوسفؑ نے اس ہنسنے کے مقصد سے پردہ اٹھایا اور سب کو عظیم درس دیا، وہ کہنے لگے:
''میں نہیں بھولتا کہ ایک دن تم طاقتور بھائیوں، تمہارے قوی بازوؤں اور بہت زیادہ جسمانی طاقت پر میں نے نظر ڈالی تو میں بہت خوش ہوا اور میں نے اپنے آپ سے کہا کہ جس کے اتنے دوست اور مددگار ہوں اسے سخت حوادث کا کیا غم ہے اس دن میں نے تم پر بھروسہ کیا اور پناہ لیتا ہوں اور تم مجھے پناہ نہیں دیتے خدا نے تمہیں مجھ پر مسلط کیا ہے تاکہ میں یہ درس سیکھ لوں کہ اس کے غیر پر یہاں تک کہ بھائیوں پر بھی بھروسہ نہ کروں''؟
اس کے آگے قرآن مزید کہتا ہے: ''اس وقت ہم نے یوسفؑ کی طرف وحی بھیجی، اسے تسلی دی اور اس کی دلجوئی کی اور اس سے کہا کہ غم نہ کھاؤ۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ تم انہیں ان تمام منحوس سازشوں اور منصوبوں سے آگاہ کرو گے اور وہ تمہیں پہچان نہیں سکیں گے''۔ [1]

---

[1] سورہ یوسف آیت 15

وہ دن کہ جب تم تخت حکومت پر تکیہ لگائے ہوگے اور تمہارے یہ بھائی تمہاری طرف دست نیاز پھیلائیں گے اور ایسے تشنہ کاموں کی طرح کہ جو چشمۂ خوش گوار کی تلاش میں تپتے ہوئے بیابان میں سرگرداں ہوتے ہیں تمہارے پاس بڑے انکسار اور فروتنی سے آئیں گے لیکن تم اتنے بلند مقام پر پہنچے ہوں گے کہ انہیں خیال بھی نہ ہوگا کہ تم ان کے بھائی ہو اس روز تم ان سے کہو گے کہ کیا تم ہی تھے جنہوں نے اپنے چھوٹے بھائی یوسفؑ کے ساتھ یہ سلوک کیا اور اس دن یہ کس قدر شرمسار اور پشیمان ہوں گے۔[۱]

اس نکتہ کی طرف توجہ ضروری ہے کہ انھوں نے اتفاق کیا کہ اسے کنویں کی مخفی جگہ پر ڈال دیں یہ جملہ اس بات کی دلیل ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا نہیں تھا بلکہ نیچے لے گئے تھے، کنویں کی تہ میں ایک چبوترا سا نیچے جانے والوں کے لئے بنایا جاتا ہے اور سطح آب کے قریب ہوتا ہے انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی کمر میں طناب ڈال کر وہاں تک پہنچایا اور وہاں چھوڑ دیا۔

جناب یوسف علیہ السلام برہنہ کنویں میں

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے انہیں کنویں میں پھینکا تو ان کا کرتہ اتار لیا اور ان کا بدن برہنہ ہو گیا تو یوسف علیہ السلام نے بہت داد و فریاد کی کہ کم از کم میرا کرتہ تو مجھے دے دو تاکہ اگر میں زندہ رہوں تو میرا بدن ڈھانپے اور اگر مر جاؤں تو میرا کفن بن جائے۔ بھائی کہنے لگے: اسی سورج، چاند اور ستاروں سے کہہ جنہیں خواب میں دیکھا تھا، تقاضا کرو کہ اس کنویں میں تیرے مونس و غمخوار ہوں اور تجھے لباس پہنائیں۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو منصوبہ بنا رکھا تھا اس پر انہوں نے اپنی خواہش کے مطابق عمل کر لیا۔ لیکن آخر کار انہیں واپس لوٹنے کے بارے میں سوچنا تھا کہ جا کر کوئی ایسی بات کریں کہ باپ کو یقین آ جائے کہ یوسفؑ کسی سازش کے تحت نہیں بلکہ طبیعی طور پر وادی عدم میں چلا گیا ہے اور اس طرح وہ باپ کی نوازشات کو اپنی جانب موڑ سکیں۔

ذلیل کنندہ جھوٹ

قرآن کہتا ہے: ''رات کے وقت بھائی روتے ہوئے آئے''۔[۲]

ان کے جھوٹے آنسوؤں اور ٹسوے بہانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جھوٹا رونا بھی ممکن ہے اور صرف روتی ہوئی آنکھ سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔

باپ جو بڑی بے تابی اور بے قراری سے اپنے فرزند دلبند یوسفؑ کی واپسی کے انتظار میں تھا اس نے جب انہیں واپس آتے دیکھا اور یوسفؑ ان میں دکھائی نہ دیا تو وہ لرز گئے اور کانپ اٹھے۔ حالات پوچھے تو انہوں نے کہا: ''ابا جان ہم گئے اور ہم (سواری اور تیراندازی کے) مقابلوں میں مشغول ہو گئے اور یوسفؑ کہ چھوٹا تھا اور ہم سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا ہم اسے اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے، اس کام میں ہم اتنے محو ہو گئے کہ ہر چیز یہاں تک کہ بھائی کو بھی بھول گئے، اس اثنا میں ایک بے رحم بھیڑیا اس طرف آ پہنچا اور اس نے اسے چیر پھاڑ کھایا''۔[۳] ''لیکن ہم جانتے ہیں کہ تم ہرگز ہماری باتوں کا یقین نہیں کرو گے اگر چہ ہم سچے

---

[۱] سورہ یوسف کی آیت 22 کے قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وحی الٰہی وحی نبوت نہ تھی بلکہ یوسفؑ کے دل پر الہام تھا تا کہ وہ جان لے کہ وہ تنہا نہیں ہے اور اس کا ایک حافظ و نگہبان ہے، اس وحی نے قلب یوسفؑ پر امید کی ضیا پاشی کی اور یاس و ناامیدی کی تاریکیوں کو اس کی روح سے نکال دیا۔

[۲] سورہ یوسف آیت 16

[۳] سورہ یوسف آیت 17

ہوں کیونکہ تم نے پہلے ہی اس قسم کی پیش بینی کی تھی لہٰذا اسے بہانہ سمجھو گے۔‘‘[1]

بھائیوں کی باتیں بڑی سوچی سمجھی تھیں پہلی بات یہ کہ انہوں نے باپ کو یا ’’اے ہمارے والد‘‘ کے لفظ سے مخاطب کیا کہ جس میں ایک جذباتی پہلو تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ فطری طور پر ایسی تفریح گاہ میں طاقتور بھائی بھاگ دوڑ میں مشغول ہوں گے اور چھوٹے کو سامان کی نگہداشت پر مقرر کریں گے اور اس کے علاوہ انہوں نے باپ کو غفلت میں رکھنے کے لئے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور روتی ہوئی آنکھوں سے کہا کہ تم ہرگز یقین نہیں کرو گے اگر چہ ہم سچ بول رہے ہوں نیز اس بناء پر کہ باپ کو ایک زندہ نشانی بھی پیش کریں ’’وہ یوسفؑ کی قمیص کو جھوٹے خون میں تر کئے ہوئے تھے‘‘۔[2] (وہ خون انہوں نے بکری یا بھیڑ کے بچے یا ہرن کا لگا رکھا تھا)۔

لیکن ’’دروغ گو حافظہ ندارد‘‘ اور ایک حقیقی واقعہ کے مختلف پہلو ہوتے ہیں اور اس کے مختلف کوائف اور مسائل ہوتے ہیں، ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ ان سب کو ایک فرضی کہانی میں سمویا جا سکے لہٰذا برادران یوسفؑ بھی اس نکتے سے غافل رہے کہ کم از کم یوسفؑ کے کرتے کو چند جگہ سے پھاڑ لیتے تا کہ وہ بھیڑئے کے حملے کی دلیل بن سکے وہ بھائی کی قمیص کو اس کے بدن سے صحیح سالم اتار کر خون آلود کر کے باپ کے پاس لے آئے، سمجھدار اور تجربہ کار باپ کی جب اس کرتے پر نگاہ پڑی تو وہ سب کچھ سمجھ گئے اور کہنے لگے کہ تم جھوٹ بولتے ہو ’’بلکہ نفسانی ہوا اور ہوس نے تمہارے لئے یہ کام پسندیدہ بنا دیا ہے‘‘۔[3] اور یہ شیطانی سازشیں ہیں۔

مہربان بھیڑیا

جناب یعقوب علیہ السلام نے کرتہ اٹھایا اور اس کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور کہا کہ پھر اس میں بھیڑیئے کے پنجوں اور دانتوں کے نشان کیوں نہیں ہیں۔؟

ایک اور روایت کے مطابق: حضرت یعقوب علیہ السلام نے کرتہ اپنے منہ پر ڈال لیا، فریاد کرنے لگے اور آنسو بہانے لگے، اور کہہ رہے تھے: یہ کیسا مہربان بھیڑیا تھا جس نے میرے بیٹے کو تو کھا لیا لیکن اس کے کرتے کو تو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچایا؟ اس کے بعد وہ بے ہوش ہو کر خشک لکڑی کی طرح زمین پر گر پڑے بعض بھائیوں نے فریاد کی: اے وائے ہو ہم پر روز قیامت عدل الٰہی کی عدالت میں ہم بھائی بھی ہاتھ سے دے بیٹھے ہیں اور باپ کو بھی ہم نے قتل کر دیا ہے، ادھر باپ اسی طرح سحری تک بے ہوش رہے لیکن سحر گاہی کی نسیم سرد کے جھونکے ان کے چہرے پر پڑے تو وہ ہوش میں آ گئے۔

باوجودیکہ یعقوبؑ کے دل میں آگ لگی ہوئی تھی، ان کی روح جل رہی تھی لیکن زبان سے ہرگز ایسی بات نہ کہتے تھے جو ناشکری، یاس و ناامیدی اور جزع وفزع کی نشانی ہو بلکہ کہا: ’’میں صبر کروں گا، صبر جمیل، ایسی شکیبائی جو شکر گزاری اور حمد خدا کے ساتھ ہو‘‘۔[4] اس کے بعد جناب یعقوب کہنے لگے ’’جو کچھ تم کہتے ہو اس کے مقابلے میں خدا سے مدد طلب کرتا ہوں‘‘۔[5]

میں اس سے چاہتا ہوں کہ جام صبر کی تلخی میرے حلق میں شیریں زبان؛ نادرست اور غلط بات سے آلودہ نہ ہو۔

انہوں نے یہ نہیں کہا کہ یوسفؑ کی موت کی مصیبت پر مجھے شکیبائی دے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یوسف قتل نہیں ہوئے بلکہ

---

[1] سورہ یوسف آیت 17

[2] سورہ یوسف آیت 18

[3] سورہ یوسف آیت 18

[4] سورہ یوسف آیت 18

[5] سورہ یوسف آیت 18

کہا کہ جو کچھ تم کہتے ہو کہ جس کا نتیجہ بہر حال اپنے بیٹے سے میری جدائی ہے، میں صبر طلب کرتا ہوں۔

ایک ترک اولیٰ کے بدلے

ابو حمزہ ثمالی نے ایک روایت امام سجاد علیہ السلام سے نقل کی ہے ابو حمزہ کہتے ہیں: جمعہ کے دن میں مدینہ منورہ میں تھا نماز صبح میں نے امام سجاد علیہ السلام کے ساتھ پڑھی جس وقت امام نماز اور تسبیح سے فارغ ہوئے تو گھر کی طرف چل پڑے میں آپ کے ساتھ تھا۔

آپ نے خادمہ کو آواز دی اور کہا: خیال رکھنا، جو سائل اور ضرورت مند گھر کے دروازے سے گزرے اسے کھانا دینا کیو نکہ آج جمعہ کا دن ہے۔

ابو حمزہ کہتے ہیں: میں نے کہا: ہر وہ شخص جو مدد کا تقاضا کرتا ہے مستحق نہیں ہوتا، تو امام نے فرمایا: ٹھیک ہے، لیکن میں اس سے ڈرتا ہوں کہ ان میں مستحق افراد ہوں اور انہیں غذا نہ دیں اور اپنے گھر کے دروازے سے دھتکار دیں تو کہیں ہمارے گھر والوں پر وہی مصیبت نہ آن پڑے جو یعقوب اور آل یعقوب پر آن پڑی تھی۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: ان سب کو کھانا دو کہ (کیا تم نے سنا نہیں ہے کہ) یعقوبؑ کے لئے ہر روز ایک گوسفند ذبح کی جا تی تھی اس کا ایک حصہ مستحقین کو دیا جاتا تھا ایک حصہ وہ خود اور ان کی اولاد کھاتے تھے ایک دن ایک سائل آیا وہ مومن اور روزہ دار تھا خدا کے نزدیک اس کی بڑی قدر و منزلت تھی وہ شہر (کنعان) سے گزرا شب جمعہ تھی افطار کے وقت وہ دروازہ یعقوبؑ پر آیا اور کہنے لگا بچی کچی غذا سے مدد کے طالب غریب و مسافر بھوکے مہمان کی مدد کرو، اس نے یہ بات کئی مرتبہ دہرائی انہوں نے سنا تو سہی لیکن اس کی بات کو باور نہ کیا جب وہ مایوس ہو گیا اور رات کی تاریکی ہر طرف چھا گئی تو وہ لوٹ گیا، جاتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تھے اس نے بارگاہ الٰہی میں بھوک کی شکایت کی رات اس نے بھوک ہی میں گزاری اور صبح اسی طرح روزہ رکھا جب کہ وہ صبر کئے ہوئے تھا اور خدا کی حمد و ثنا کرتا تھا لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کے گھر والے مکمل طور پر سیر تھے اور صبح کے وقت ان کا کچھ کھانا بچا بھی رہ گیا تھا۔

امام نے اس کے بعد مزید فرمایا: خدا نے اسی صبح یعقوب کی طرف وحی بھیجی: اے یعقوبؑ! تو نے میرے بندے کو خوار کیا ہے اور میرے غضب کو بھڑکایا ہے اور تو اور تیری اولاد نزول سزا کی مستحق ہو گئی ہے اے یعقوبؑ میں اپنے دوستوں کو زیادہ جلدی سر زنش کرتا اور سزا دیتا ہوں اور یہ اس لئے کہ میں ان سے محبت کرتا ہوں۔

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس حدیث کے بعد ہے کہ ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں: میں نے امام سجاد علیہ السلام سے پوچھا کہ یوسفؑ نے وہ خواب کس موقع پر دیکھا تھا؟

امام نے فرمایا: اسی رات۔

اس حدیث سے اچھی طرح معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء و اولیاء کے حق سے ایک چھوٹی سی لغزش یا زیادہ صریح الفاظ میں ایک ''ترک اولیٰ''، کہ جو گناہ اور معصیت بھی شمار نہیں ہوتا تھا (کیونکہ اس سائل کی حالت حضرت یعقوب علیہ السلام پر واضح نہیں تھی) بعض او قات خدا کی طرف سے ان کی تنبیہ کا سبب بنتا ہے اور یہ صرف اس لئے ہے کہ ان کا بلند و بالا مقام تقاضا کرتا ہے کہ وہ ہمیشہ اپنی چھوٹی سے چھوٹی بات اور عمل کی طرف متوجہ رہیں کیونکہ: "حسنات الابرار سیئات المقربین"

وہ کام جو نیک لوگوں کے لئے نیکی شمار ہوتے ہیں مقربین بارگاہ الٰہی کے لئے برائی ہیں۔

(1) حضرت یوسف علیہ السلام کی دلکش دعا

روایات اہل بیت اور طرق اہل سنت میں ہے کہ جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کنویں کی تہ میں پہنچ گئے تو ان کی امید ہر طرف سے منقطع ہوگئی اور ان کی تمام تر توجہ ذات خدا کی طرف ہوگئی انہوں نے اپنے خدا سے مناجات کی اور جبرائیل کی تعلیم سے راز و نیاز کرنے لگے کہ جو روایات میں مختلف عبارتوں میں منقول ہے۔

سرزمین مصر کی جانب

یوسف علیہ السلام نے کنویں کی وحشت ناک تاریکی اور ہولناک تنہائی میں بہت تلخ گھڑیاں گزاریں لیکن خدا پر ایمان اور ایمان کے زیر سایہ ایک اطمینان نے ان کے دل میں نور امید کی کرنیں روشن کردیں تھیں اور انہیں ایک توانائی بخشی تاکہ وہ اس ہولناک تنہائی کو برداشت کریں اور آزمائش کی اس بھٹی سے کامیابی کے ساتھ نکل آئیں، اس حالت میں وہ کتنے دن رہے، یہ خدا جانتا ہے بعض مفسرین نے تین دن لکھے ہیں اور بعض نے دو دن، بہرحال "ایک قافلہ آپہنچا"۔[1]

اور اس قافلے نے وہیں نزدیک ہی پڑاؤ ڈالا، واضح ہے کہ قافلے کی پہلی ضرورت یہی ہوتی ہے کہ وہ پانی حاصل کرے اس لئے انہوں نے پانی پر مامور شخص کو پانی کی تلاش میں بھیجا"۔[2]

اس نے اپنا ڈول کنویں کی تہ میں ڈالا جس سے جناب یوسف علیہ السلام کنویں کے اندر متوجہ ہوئے کہ کنویں کے اوپر سے کوئی آواز آرہی ہے ساتھ ہی دیکھا کہ ڈول اور رسی تیزی سے نیچے آرہی ہے انہوں نے موقع غنیمت جانا اور اس عطیۂ الٰہی سے فائدہ اٹھایا اور فوراً اس سے لپٹ گئے بہشتی نے محسوس کیا کہ اس کا ڈول اندازے سے زیادہ بھاری ہے جب اس نے زور لگا کر اسے اوپر کھینچا تو اچانک اس کی نظر ایک چاند سے بچے پر پڑی وہ چلایا: خوشخبری ہو: "یہ تو پانی کے بجائے بچہ ہے"[3]

آہستہ آہستہ قافلے میں سے چند لوگوں کو اس بات کا پتہ چل گیا لیکن اس بناء پر کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے اور یہ خود ہی مصر میں اس خوبصورت بچے کو ایک غلام کے طور پر بیچ دیں "اسے انہوں نے ایک اچھا سرمایہ سمجھتے ہوئے دوسروں سے مخفی رکھا"۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے خدا سے یوں مناجات کی: بارالٰہا: اے وہ جو غریب و مسافر کا مونس ہے اور تنہائی کا ساتھی ہے اے وہ جو ہر خائف کی پناہ گاہ ہے ہر غم کو برطرف کرنے والا ہے، ہر فریاد سے آگاہ ہے، ہر شکایت کرنے والے کی آخری امید ہے اور ہر مجمع میں موجود ہے اے حی: اے قیوم: اے زندہ: اے ساری کائنات کے حافظ و نگہبان میں تجھ سے چاہتا ہوں کہ اپنی امید میرے دل میں ڈال دے تاکہ تیرے علاوہ کوئی فکر نہ رکھوں اور تجھ سے چاہتا ہوں کہ میرے لئے اس عظیم مشکل سے راہ نجات پیدا کردے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے یہ امر جاذب نظر ہے کہ اس حدیث کے ذیل میں ہے کہ فرشتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کی آواز سنی تو عرض کیا:

"الهنا نسمع صوتاً ودعاء، الصوت صوت صبي والدعاء دعاء النبي"

---

[1] سورہ یوسف آیت 19

[2] سورہ یوسف آیت 19

[3] سورہ یوسف آیت 19

[4] سورہ یوسف آیت 19

پروردگار: ہم آواز اور دعا سن رہے ہیں آواز تو بچے کی ہے لیکن دعا نبی کی ہے۔

ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ دعا تعلیم کی: پروردگارا: میں تجھ سے دعا کرتا ہوں، اے وہ کہ حمد و تعریف تیرے لئے ہے، تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں، تو ہے جو بندوں کو نعمت بخشتا ہے، آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے صاحب جلال و اکرام ہے، میں درخواست کرتا ہوں کہ محمد و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج اور جس میں میں ہوں اس سے مجھے کشائش و نجات عطا فرما لیکن کوئی مانع نہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ دونوں دعائیں کی ہوں۔

جناب یوسف علیہ السلام کو کم داموں میں بیچنا

''آخر کار انہوں نے یوسفؑ کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ دیا، اور وہ اس کے بیچنے کے سلسلے میں بے رغبت تھے (تا کہ ان کا راز فاش نہ ہو)''۔[۱]

اگر چہ یوسف علیہ السلام کو بیچنے والے کون لوگ تھے، بعض لوگوں نے ان کو برادران یوسف علیہ السلام بتایا ہے، لیکن قرآن سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قافلہ والوں نے یوسفؑ کو بیچا تھا۔[۲]

عزیز مصر کے محل میں

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان جب یہاں تک پہنچی کہ بھائی انہیں کنویں میں پھینک چکے تو بہر صورت بھائیوں کے ساتھ والا مسئلہ ختم ہو گیا اب اس ننھے بچے کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ مصر میں شروع ہوا اس طرح سے کہ آخر کار یوسفؑ مصر لائے گئے وہاں انہیں فروخت کے لئے پیش کیا گیا چونکہ یہ ایک نفیس تحفہ تھا لہٰذا معمول کے مطابق ''عزیز مصر'' کو نصیب ہوا کہ جو در حقیقت فرعونوں کی طرف سے وزیر اعظم تھا اور ایسے ہی لوگ ''تمام پہلوؤں سے ممتاز اس غلام'' کی زیادہ قیمت دے سکتے تھے، اب دیکھتے ہیں کہ عزیز مصر کے گھر یوسفؑ پر کیا گزرتی ہے۔

قرآن کہتا ہے: ''جس نے مصر میں یوسفؑ کو خریدا اس نے اپنی بیوی سے اس کی سفارش کی اور کہا کہ اس غلام کی منزلت کا احترام کرنا اور اسے غلاموں والی نگاہ سے نہ دیکھنا کیونکہ ہمیں امید ہے کہ مستقبل میں ہم اس غلام سے بہت فائدہ اٹھائیں گے یا اسے فرزند کے طور پر اپنا لیں گے۔''[۳]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ عزیز مصر کی کوئی اولاد نہ تھی اور وہ بیٹے کے شوق میں زندگی بسر کر رہا تھا جب اس کی آنکھ اس خوبصورت اور آبرومند بچے پر پڑی تو اس کے دل میں آیا کہ یہ اس کے بیٹے کے طور پر ہو۔

---

[۱] سورہ یوسف آیت 20

[۲] یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انھوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو تھوڑی سی قیمت پر کیوں بیچ دیا، قرآن نے اسے ''ثمن بخس'' سے تعبیر کیا ہے کیونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کم از کم ایک قیمتی غلام سمجھے جا سکتے تھے۔

لیکن یہ معمول کی بات ہے کہ ہمیشہ چور یا ایسے افراد جن کے ہاتھ کوئی اہم سرمایہ بغیر کسی زحمت کے آجائے تو وہ اس خوف سے کہ کہیں دوسروں کو معلوم نہ ہو جائے اسے فوراً بیچ دیتے ہیں اور یہ فطری بات ہے کہ اس جلد بازی میں وہ زیادہ قیمت حاصل نہیں کر سکتے اس بارے میں کہ انہوں نے حضرت یوسف کو کتنے داموں میں بیچا اور پھر یہ رقم آپس میں کس طرح تقسیم کی، اس سلسلے میں بھی مفسرین میں اختلاف ہے بعض نے یہ رقم 20 درہم، بعض نے 22 درہم، بعض نے 40 درہم اور بعض نے 18 درہم لکھی ہے اور اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ بیچنے والوں کی تعداد دس بیان کی جاتی ہے، اس ناچیز رقم میں سے ہر ایک کا حصہ واضح ہو جاتا ہے۔

[۳] سورہ یوسف آیت 21

اس کے بعد قرآن مجید کہتا ہے:''اس طرح اس سرزمین میں ہم نے یوسفؑ کو متمکن اور صاحب نعمت و اختیار کیا، ہم نے یہ کام کیا تاکہ ان کو تعبیر خواب کا علم عطا ہو۔''[۱]

جناب یوسفؑ کی پاکیزگی کا انعام

یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم تعبیر خواب اور عزیز مصر کے محل میں حضرت یوسف علیہ السلام کی موجودگی کا کیا ربط ہے کہ اسے کس طرف ''لنعلمه'' کی ''لام'' کہ جو لام غایت ہے کہ ذریعے اشارہ کیا گیا ہے۔

لیکن اگر ہم اس نکتے کی طرف توجہ دیں تو ہوسکتا ہے مذکورہ سوال کا جواب واضح ہو جائے کہ خداوند عالم بہت سی علمی نعمتیں اور عنایات؛ گناہ سے پرہیز اور سرکش ہوا و ہوس کے مقابلے میں استقامت کی وجہ سے بخشتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ نعمات کہ جو دل کی نورانیت کا ثمرہ ہیں، ایک انعام ہیں کہ جو خدا اس قسم کے اشخاص کو بخشتا ہے۔

''ابن سیرین'' تعبیر خواب جاننے میں بڑے مشہور ہیں انکے حالات میں لکھا ہے کہ وہ کپڑا بیچا کرتے تھے اور بہت ہی خوبصورت تھے ایک عورت انہیں اپنا دل دے بیٹھی بڑے حیلے بہانے کر کے انہیں اپنے گھر میں لے گئی اور دروازے بند کر لئے، لیکن انہوں نے عورت کی ہوس کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا اور مسلسل اس عظیم گناہ کے مفاسد اس کے سامنے بیان کرتے رہے لیکن اس عورت کی ہوس کی آگ اس قدر سرکش تھی کہ وعظ و نصیحت کا پانی اسے نہیں بجھا سکتا تھا۔

''ابن سیرین'' کو اس چنگل سے نجات پانے کے لئے ایک تدبیر سوجھی وہ اٹھے اور اپنے بدن کو اس گھر میں موجود گندی چیزوں سے اس طرح کثیف، آلودہ اور نفرت انگیز کر لیا کہ جب عورت نے یہ منظر دیکھا تو ان سے متنفر ہوگئی اور انہیں گھر سے باہر نکال دیا۔

کہتے ہیں اس واقعے کے بعد ابن سیرین کو تعبیر خواب کے بارے میں بہت فراست نصیب ہوئی اور ان کی تعبیر سے متعلق کتابوں میں عجیب و غریب واقعات لکھے ہوئے ہیں کہ جو اس سلسلے میں ان کی گہری معلومات کی خبر دیتے ہیں۔ اس بناء پر ممکن ہے کہ یہ خاص علم و آگاہی حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کی بیوی کی انتہائی قوت جزب کے مقابلے میں نفس پر کنٹرول رکھنے کی بناء پر حاصل ہوئی ہو۔

جی ہاں: انہوں نے بہت سی چیزیں اس شور و غل کے ماحول میں سیکھیں ان کے دل میں ہمیشہ غم و اندوہ کا ایک طوفان موجزن ہوتا تھا کیونکہ ان حالات میں وہ کچھ نہیں کر سکتے تھے، اس دور میں وہ مسلسل خود سازی اور تہذیب نفس میں مشغول تھے۔

قرآن کہتا ہے:''جب وہ بلوغ اور جسم و روح کے تکامل کے مرحلے میں پہنچا اور انوار وحی قبول کرنے کے قابل ہوگیا، تو ہم نے اسے حکم (نبوت) اور علم دیا۔''[۲]

عزیز مصر کی بیوی کا عشق سوزاں

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے خوبصورت، پرکشش اور ملکوتی چہرے سے نہ صرف عزیز مصر کو اپنی طرف جذب کر لیا بلکہ عزیز کی بیوی بھی بہت جلد آپ کی گرویدہ ہوگئی آپ کا عشق اس کی روح کی گہرائیوں میں اتر گیا جوں جوں وقت گزرتا گیا اس کے عشق

---

[۱] سورہ یوسف آیت 21

[۲] سورہ یوسف آیت 22

کی حدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا لیکن یوسفؑ کہ جو پاکیزہ اور پرہیزگار انسان تھے انہیں خدا کے علاوہ کسی کی کوئی فکر اور سوچ نہ تھی ان کے دل نے عشق سوزاں کو اور بھڑکا دیا۔

ایک تو اسے اولاد ہونے کا ارمان تھا، دوسرا اس کی رنگینیوں سے بھرپور اشراف کی زندگی تھی، تیسرا داخلی زندگی میں اسے کوئی پریشانی اور مسئلہ نہ تھا جیسا کہ اشراف اور ناز و نعمت میں پلنے والوں کی زندگی ہوتی ہے اور چوتھا دربار مصر میں کسی قسم کی کوئی پابندی اور قدغن نہ تھی ان حالات میں وہ عورت کہ جو ایمان و تقویٰ سے بھی بے بہرہ تھی شیطانی وسوسوں کی موجوں میں غوطہ زن ہو گئی یہاں تک کہ اس نے ارادہ کر لیا کہ اپنے دل کا راز یوسفؑ سے بیان کرے اور اپنے دل کی تمنا ان سے پورا کرنے کا تقاضا کرے۔

اپنے مقصد کے حصول کی خاطر اس نے ہر ذریعہ اور ہر طور طریقہ اختیار کیا اور بڑی خواہش کے ساتھ کوشش کی کہ ان کے دل کو متاثر کرے جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''جس عورت کے گھر یوسفؑ تھے اس نے اپنی آرزو پوری کرنے کے لئے پیہم ان سے تقاضا کیا۔''[1]

آخر کار جو آخری راستہ اسے نظر آیا یہ تھا کہ ایک دن انہیں تنہا اپنی خلوت گاہ میں پھنسا لے اور ان کے جذبات ابھارنے کے لئے تمام وسائل سے کام لے جاذب ترین لباس پہنے، بہترین بناؤ سنگھار کرے بہت مہک دار عطر لگائے اور اس طرح سے آرائش و زیبائش کرے کہ یوسفؑ جیسے قوی انسان کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔

قرآن کہتا ہے: ''اس نے سارے دروازوں کو اچھی طرح بند کر لیا اور کہا آؤ میں تمہارے لئے حاضر ہوں''۔[2]

زلیخا نے ساتوں دروازے بند کر دیئے

اس نے تمام دروازے مضبوطی سے بند کئے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ یوسفؑ کو محل کی ایسی جگہ پر لے گئی کہ جہاں کمرے بنے ہوئے تھے اور جیسا کہ بعض روایات میں آیا ہے اس نے سات دروازے بند کئے تا کہ یوسفؑ کے لئے فرار کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔

علاوہ ازیں شاید وہ اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانا چاہتی تھی کہ وہ راز فاش ہونے سے پریشان نہ ہوں کیونکہ ان بند دروازوں کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے بس میں نہیں کہ وہ اندر آ سکے۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ تمام حالات لغزش و گناہ کی حمایت میں ہیں اور ان کے لئے کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا تو انہوں نے زلیخا کو بس یہ جواب دیا: ''میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں''۔[3]

اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے زوجۂ عزیز کی خواہش کو قطعی و حتمی طور پر رد کر دیا اور اسے سمجھایا کہ وہ ہرگز اس کے سامنے سر تسلیم خم نہیں کریں گے آپ نے ضمناً اسے اور تمام افراد کو یہ حقیقت سمجھا دی کہ ایسے سخت اور بحرانی حالات میں شیطانی وسوسوں اور ان سے کہ جو شیطانی اخلاق و عادات رکھتے ہیں نجات کیلئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ خدا کی طرف پناہ لی جائے، وہ خدا جس کے لئے خلوت اور بزم ایک سی ہے اور جس کے ارادے کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اس مختصر سے جملے سے انہوں نے عقیدے اور عمل کے لحاظ سے خدا کی وحدانیت کا اعتراف کیا اس کے بعد مزید کہا کہ ''تمام چیزوں سے قطع نظر میں اس خواہش کے سامنے کس طرح سے

---

[1] سورہ یوسف آیت 23

[2] سورہ یوسف آیت 23

[3] سورہ یوسف آیت 23

سر تسلیم خم کرلوں جبکہ میں عزیز مصر کے گھر میں رہتا ہوں اس کے دسترخوان پر ہوں اور اس نے مجھے بہت احترام سے رکھا ہوا ہے"۔ [۱]

"کیا یہ واضح ظلم اور خیانت نہ ہوگی یقیناً ستمگار فلاح نہیں پائیں گے۔" [۲]

حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں ایک طوفان

یہاں یوسفؑ اور زوجہ عزیز کا معاملہ نہایت باریک مرحلے اور انتہائی حساس کیفیت تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق قرآن بہت معنی خیز انداز میں گفتگو کرتا ہے: "عزیز مصر کی بیوی نے اس کا قصد کیا اور اگر یوسفؑ بھی برہان پروردگار نہ دیکھتا تو ایسا ارادہ کرلیتا۔" [۳]

اس جگہ ایک بت تھا کہ جو زوجہ عزیز کا معبود شمار ہوتا تھا اچانک اس عورت کی نگاہ اس بت پر پڑی اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ اسے گھور رہا ہے اور اس کی خیانت آمیز حرکات کو غیظ و غضب کی نگاہ سے دیکھ رہا ہے وہ اٹھی اور اس بت پر کپڑا ڈال دیا یوسفؑ نے یہ منظر دیکھا تو ان کے دل میں ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا، اور وہ لرز گئے اور کہنے لگے: تو تو ایک بے عقل، بے شعور، بے حس، و بے تشخیص عاری بت سے شرم کرتی ہے، کیسے ممکن ہے کہ میں اپنے پروردگار سے شرم نہ کروں جو تمام چیزوں کو جانتا ہے اور تمام مخفی امور اور خلوت گاہوں سے باخبر ہے۔

اس احساس نے یوسفؑ کو ایک نئی توانائی اور قوت بخشی اور شدید جنگ کہ جوان کی روح کی گہرائیوں میں جذبات اور عقل کے درمیان جاری تھی اس میں ان کی مدد کی تا کہ وہ جذبات کی سرکش موجوں کو پیچھے ڈھکیل سکیں۔ [۴]

قرآن مجید کہتا ہے: ہم نے یوسفؑ کو اپنی ایسی برہان پیش کی تا کہ بدی اور فحشاء کو اس سے دور کریں، کیونکہ وہ ہمارے برگزیدہ اور مخلص بندوں میں سے تھا۔ [۵]

یہ اس طرف اشارہ ہے کہ ہم نے جو اس کے لئے غیبی اور روحانی مدد بھیجی تا کہ وہ بدی اور گناہ سے رہائی پائے، تو یہ بے دلیل نہیں تھا وہ ایک ایسا بندہ تھا جس نے اپنے آپ کو معرفت، ایمان پرہیزگاری اور پاکیزہ عمل سے آراستہ کیا ہوا تھا اور اس کا قلب و روح شرک کی تاریکیوں سے پاک اور خالص تھا اسی لئے وہ ایسی خدائی امداد کی اہلیت ولیاقت رکھتا تھا۔

اس دلیل کا ذکر نشاندہی کرتا ہے کہ ایسی خدائی امداد جو طغیانی و بحرانی لحات میں یوسفؑ جیسے نبی کو میسر آئی تھی ان سے مخصوص

---

[۱] سورہ یوسف آیت 23

[۲] سورہ یوسف آیت 23

[۳] سورہ یوسف آیت 24

اس جملہ کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف ہے، اسی طرح وہ برہان پروردگار جس کے ذریعہ سے جناب یوسف بچ گئے، کے بارے میں اختلاف ہے رجوع کریں تفسیر نمونہ ج 5 ص 413

[۴] وہ بے بنیاد روایات جو مفسرین نے نقل کی ہیں کہ جن کے مطابق حضرت یوسف نے گناہ کا ارادہ کرلیا تھا اچانک حالت مکاشفہ میں جرائیل یا حضرت یعقوب علیہ السلام کو دیکھا جو اپنی انگلی دانتوں سے کاٹ رہے تھے انہیں دیکھا تو یوسفؑ پیچھے ہٹ گئے، ایسی روایات کی کوئی معتبر سند نہیں ہے، یہ اسرائیلیات کی طرح ہیں اور کوتاہ فکر انسانوں کے دماغوں کی پیداوار ہیں جنھوں نے مقام انبیاء کو بالکل نہیں سمجھا۔

[۵] سورہ یوسف آیت 24

نہ تھی بلکہ جو شخص بھی خدا کے خالص بندوں اور "عباد الله المخلصین" کے زمرے میں آتا ہو ایسی نعمات کے لائق ہے۔[1]

زوجہ عزیز مصر کی رسوائی

قرآن کی بیان کردہ تمام داستانوں میں ایک حقیقی عشقیہ داستان موجود ہے اور یہ حضرت یوسف علیہ السلام اور عزیز مصر کی بیوی کی داستان ہے۔

ایک خوبصورت اور ہوس آلود عورت کے ایک زیرک اور پاک دل نوجوان سے شعلہ ور عشق کی داستان ہے۔

کہنے والے اور لکھنے والے جب ایسے مناظر تک پہنچتے ہیں تو وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ یا تو ہیرو اور اس واقعے کے اصلی مناظر کی تصویر کشی کے لئے قلم کھلا چھوڑ دیں اور بزبان اصطلاح حق سخن ادا کر دیں اگرچہ اس میں ہزار ہا تحریک آمیز چبھنے والے اور غیر اخلاقی لفظ آ جائیں۔

یا وہ مجبور ہو جاتے ہیں کہ زبان و قلم کی نزاکت وعفت کی حفاظت کے لئے کچھ مناظر کو پردہ ابہام میں لپیٹ دیں اور سامعین وقارئین کو سربستہ طور پر بات بتائیں۔

کہنے والا اور لکھنے والا کتنی بھی مہارت رکھتا ہو اکثر اوقات ان میں سے کسی ایک مشکل سے دوچار ہو جاتا ہے۔

کیا یہ باور کیا سکتا ہے کہ ایک ان پڑھ شخص ایسے شورانگیز عشق کے نہایت حساس لحات کی دقیق اور مکمل تصوری کشی بھی کرے لیکن بغیر اس کے کہ اس میں معمولی سی تحریک آمیز اور عفت سے عاری تعبیر استعمال ہو۔

لیکن قرآن اس داستان کے حساس ترین مناظر کی تصویر کشی شگفتہ انداز میں متانت وعفت کے ساتھ کرتا ہے، بغیر اس کے کہ اس میں کوئی واقعہ چھوٹ جائے اور اظہار عجز ہو جب کہ تمام اصول اخلاق و پاکیزگی بیان بھی ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اس داستان کے تمام مناظر میں سے زیادہ حساس "خلوت گاہ عشق" کا ماجرا ہے جسے زوجہ عزیز مصر کی بیقراری اور ہوا وہوس نے وجود بخشا۔

قرآن اس واقعے کی وضاحت میں تمام کہنے کی باتیں بھی کہہ گیا ہے لیکن پاکیزہ اور عفت کے اصول سے ہٹ کر اس نے تھوڑی سے بات بھی نہیں کی۔

یوسفؑ کی انتہائی استقامت نے زوجۂ عزیز کو تقریباً مایوس کر دیا یوسفؑ اس معرکہ میں اس ناز و ادا والی اور سرکش ہوا و ہوس والی عورت کے مقابلے میں کامیاب ہو گئے تھے انہوں نے محسوس کیا کہ اس لغزش گاہ میں مزید ٹھہرنا خطرناک ہے انہوں نے اس محل سے نکل جانے کا ارادہ کیا لہٰذا وہ تیزی سے قصر کے دروازے کی طرف بھاگے تاکہ دروازہ کھول کر نکل جائیں زوجۂ عزیز بھی بے اعتنا نہ رہی وہ بھی یوسفؑ کے پیچھے دروازے کی طرف بھاگی تاکہ یوسفؑ کو باہر نکلنے سے روکے اس نے اس مقصد کے لئے یوسفؑ کی قمیص پیچھے سے پکڑ لی اور اسے اپنی طرف کھینچا اس طرح سے کہ قمیص پیچھے سے لمبائی کے رخ پھٹ گئی۔[2]

لیکن جس طرح بھی ہوا یوسفؑ دروازے تک پہنچ گئے اور دروازہ کھول لیا اچانک عزیز مصر کو دروازے کے پیچھے دیکھا جیسا

---

[1] متین و پاکیزہ کلام: قرآن کے عجیب وغریب پہلوؤں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جو اعجاز کی ایک نشانی بھی ہے، یہ کہ اس میں کوئی چھبنے والی، رکیک، ناموزوں، متبذل اور عفت و پاکیزگی سے عاری تعبیر نہیں ہے اور کسی عام، ان پڑھ جہالت کے ماحول میں پرورش پانے والے کا کلام طرز کا نہیں ہوسکتا کیونکہ ہر شخص کی باتیں اس کے افکار اور ماحول سے ہم آہنگ ہوتی ہیں۔

[2] سورہ یوسف آیت 25

کہ قرآن کہتا ہے: ''ان دونوں نے اس عورت کے آقا کو دروازے پر پایا۔'' [۱]

اب جبکہ زوجہ عزیز نے ایک طرف اپنے کو رسوائی کے آستانے پر دیکھا اور دوسری طرف انتقام کی آگ اس کی روح میں بھڑک اٹھی تو پہلی بات جو اسے سوجھی یہ تھی کہ اس نے اپنے آپ کو حق بجانب ظاہر کرتے ہوئے اپنے شوہر کی طرف رخ کیا اور یوسفؑ پر تہمت لگائی: اس نے پکار کر کہا: ''جو شخص تیری اہلیہ سے خیانت کا ارادہ کرے اس کی سزا زندان یا دردناک عذاب کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔'' [۲]

یہ امر قابل توجہ ہے کہ اس خیانت کار عورت نے جب تک اپنے آپ کو رسوائی کے آستانے پر نہیں دیکھا تھا، بھول چکی تھی کہ وہ عزیز مصر کی بیوی ہے لیکن اس موقع پر اس نے ''اہلک'' (تیری گھر والی) کا لفظ استعمال کر کے عزیز کی غیرت کو ابھارا کہ میں تیرے ساتھ مخصوص ہوں لہٰذا کسی دوسرے کو میری طرف حرص کی آنکھ سے نہیں دیکھنا چاہئے۔

دوسرا قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ یوسفؑ میرے بارے میں برا ارادہ رکھتا تھا بلکہ عزیز مصر سے اس کی سزا کے بارے میں بات کی اس طرح سے کہ اصل مسئلہ مسلم ہے اور بات صرف اس کی سزا کے بارے میں ہے ایسے لمحے میں جب وہ عورت اپنے آپ کو بھول چکی تھی اس کی یہ جچی تلی گفتگو اس کی انتہائی حیلہ گری کی نشانی ہے۔

پھر یہ کہ پہلے وہ قید خانے کے بارے میں بات کرتی ہے اور بعد میں گویا وہ قید پر بھی مطمئن نہیں ہے ایک قدم اور آگے بڑھاتی ہے اور ''عذاب الیم'' کا ذکر کرتی ہے کہ جو سخت جسمانی سزا اور قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔

اس مقام پر حضرت یوسف علیہ السلام نے خاموشی کو کسی طور پر جائز نہ سمجھا اور صراحت سے زوجہ عزیز مصر کے عشق سے پردہ اٹھایا انہوں نے کہا: ''اس نے مجھے اصرار اور التماس سے اپنی طرف دعوت دی تھی۔'' [۳]

واضح رہے اس قسم کے موقع پر ہر شخص ابتداء میں بڑی مشکل سے یہ باور کر سکتا ہے کہ ایک نوخیز جوان غلام کہ جو شادی شدہ نہیں، بے گناہ ہو اور ایک شوہر دار عورت کہ جو ظاہراً باوقار ہے گنہگار ہو، اس بناء پر زیادہ الزام زوجہ عزیز کی نسبت یوسفؑ کے دامن پر لگتا تھا۔

شاہد گواہی دیتا ہے

لیکن چونکہ خدا نیک اور پاک افراد کا حامی و مددگار ہے وہ اجازت نہیں دیتا کہ یہ نیک اور پارسا مجاہد نوجوان تہمت کے شعلوں کی لپیٹ میں آئے، لہٰذا قرآن کہتا ہے: اس موقع پر اس عورت کے خاندان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ اصلی مجرم کی پہچان کے لئے اس واضح دلیل سے استفادہ کیا جائے کہ اگر یوسفؑ کا کرتہ آگے کی طرف سے پھٹا ہے تو وہ عورت سچ کہتی ہے اور یوسفؑ جھوٹا ہے ''اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو وہ عورت جھوٹی اور یوسفؑ سچا ہے۔'' [۴]

اس سے زیادہ مضبوط دلیل اور کیا ہوگی، کیونکہ زوجہ عزیز کی طرف سے تقاضا تھا تو وہ یوسفؑ کے پیچھے دوڑی ہے اور یوسفؑ اس سے بھاگ رہے تھے کہ وہ ان کے کرتے سے لپٹی ہے، تو یقیناً وہ پیچھے سے پھٹا ہے اور اگر یوسفؑ نے عزیز کی بیوی پر حملہ کیا ہے

---

[۱] سورہ یوسف آیت 25
[۲] سورہ یوسف آیت 25
[۳] سورہ یوسف آیت 26
[۴] سورہ یوسف آیت 27

اور وہ بھاگی ہے یا سامنے سے اپنا دفاع کیا ہے تو یقیناً یوسفؑ کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے، یہ امر کس قدر جاذب نظر ہے کہ کرتہ پھٹنے کا سادہ سا مسئلہ بے گناہی کا تعین کر دیتا ہے، یہی چھوٹی سی چیز ان کی پاکیزگی کی سند اور مجرم کی رسوائی کا سبب ہوگئی۔

عزیز مصر نے یہ فیصلہ کہ جو بہت ہی بچا تلا تھا بہت پسند کیا یوسفؑ کی قمیص کو غور سے دیکھا اور جب اس نے دیکھا کہ ان کی قمیص پیچھے سے پھٹی ہے (خصوصاً اس طرف توجہ کرتے ہوئے کہ اس دن تک اس نے کبھی یوسفؑ سے کوئی جھوٹ نہیں سنا تھا)۔

اس نے اپنی بیوی کی طرف رخ کیا اور کہا: ''یہ کام تم عورتوں کے مکر و فریب میں سے ہے، بے شک تم عورتوں کا مکر و فریب عظیم ہے۔''[1]

اس وقت عزیز کو خوف ہوا کہ یہ رسوا کن واقعہ ظاہر نہ ہو جائے اور مصر میں اس کی آبرو نہ جاتی رہے اس نے بہتر سمجھا کہ معاملے کو سمیٹ کر دبا دیا جائے اس نے یوسفؑ کی طرف رخ کیا اور کہا:

''اے یوسف! تم صرف نظر کرو اور اس واقعے کے بارے میں کوئی بات نہ کہو''۔[2]

پھر اس نے بیوی کی جانب رخ کیا اور کہا: ''تم بھی اپنے گناہ سے استغفار کرو کہ تم خطا کاروں میں سے تھی''۔[3]

شاہد کون تھا؟

شاہد کون تھا کہ جس نے یوسفؑ اور عزیز مصر کی فائل اتنی جلدی درست کر دی اور مہر لگا دی اور بے گناہ کو، گنہگار سے الگ کر دکھایا، اس بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ وہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے تھا اور قاعدتاً ایک حکیم، دانش منداور سمجھدار شخص تھا، اس واقعے میں کہ جس کا کوئی عینی شاہد نہ تھا اس نے شگاف پیراہن سے حقیقت معلوم کر لی، کہتے ہیں کہ یہ شخص عزیز مصر کے مشیروں میں سے تھا اور اس وقت اس کے ساتھ تھا۔

دوسری تفسیر یہ ہے کہ وہ شیر خوار بچہ تھا یہ بچہ عزیز مصر کی بیوی کے رشتہ داروں میں سے تھا اس وقت یہ بچہ وہیں قریب تھا یوسفؑ نے عزیز سے خواہش کی اس سے فیصلہ کروالو، عزیز کو پہلے تو بہت تعجب ہوا کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے لیکن جب وہ شیر خوار حضرت عیسیٰ کی طرح گہوارے میں بول اٹھا اور اس نے گنہگار کو بے گناہ سے الگ کر کے معیار بتایا تو وہ متوجہ ہوا کہ یوسفؑ ایک غلام نہیں بلکہ نبی ہے یا نبی جیسا ہے۔[4]

حضرت امام صادق علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے: ''شہادت دینے والا گہوارہ میں ایک چھوٹا بچہ تھا'' لیکن توجہ رہے کہ اس حدیث کی کوئی محکم سند نہیں ہے۔

زوجۂ عزیز مصر کی ایک اور سازش

زوجۂ عزیز کے اظہار عشق کا معاملہ مذکورہ داستان میں اگرچہ خاص لوگوں تک تھا اور خود عزیز نے بھی اسے چھپانے کی تاکید

---

[1] سورہ یوسف آیت 28
[2] سورہ یوسف آیت 29
[3] سورہ یوسف آیت 29
[4] سورہ یوسف آیت 29

کی تھی تاہم ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں خصوصاً بادشاہوں اوراہل دولت واقتدار کے تو محلوں کی دیواریں بھی سنتی ہیں بہرحال آخرکار یہ راز قصر سے باہر نکل گیا اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے شہر کی کچھ عورتیں اس بارے میں ایک دوسرے سے باتیں کرتی تھیں اوراس بات کا چرچا کرتی تھیں ''کہ عزیز کی بیوی نے اپنے غلام سے راہ ورسم پیدا کرلی ہے اوراسے اپنی طرف دعوت دیتی ہے''۔[۱]

''اور غلام کا عشق تو اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر گیا ہے''۔[۲]

پھر وہ یہ کہہ کر اس پر تنقید کرتیں کہ ''ہماری نظر میں تو وہ واضح گمراہی میں ہے''۔[۳]

واضح ہے کہ ایسی باتیں کرنے والی مصر کے طبقہ امراء کی عورتیں تھیں جن کے لئے فرعونیوں اور مستکبرین کے محلات کی گھٹیا کہانیاں بہت دلچسپ ہوتی تھیں اور وہ ہمیشہ ان کی ٹوہ میں لگی رہتی تھیں۔

اشراف کی یہ عورتیں کہ جو خود بھی زوجہ عزیز کی نسبت ہوس رانی میں کسی طرح کم نہ تھیں ان کی چونکہ یوسفؑ تک رسائی نہیں تھی لہٰذا بقولے ''جانماز آب می کشیدند'' مکروفریب میں لگی ہوئی تھیں اور زوجۂ عزیز کو اس کے عشق پر واضح گمراہی میں قرار دیتی تھیں، یہاں تک کہ بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ یہ راز بعض زنان مصر نے ایک سازش کے تحت پھیلایا وہ چاہتی تھیں کہ زوجۂ عزیز مصر اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے انہیں اپنے محل میں دعوت دے تاکہ وہ خود وہاں یوسفؑ کو دیکھ سکیں ان کا خیال تھا کہ وہ یوسفؑ کے سامنے ہوں تو ہوسکتا ہے اس کی نظر ان کی طرف مائل ہوجائے کہ جو شاید زوجہ عزیز مصر سے بھی بڑھ کر حسین تھیں اور پھر یوسفؑ کے لئے ان کا جمال بھی نیا تھا اور پھر یوسفؑ کے لئے عزیز کی بیوی ماں یا مولی یا ولی نعمت کا مقام رکھتی تھی اور ایسی کوئی صورت ان کے لئے نہ تھی لہٰذا وہ سمجھتی تھیں کہ زوجہ عزیز کی نسبت ان کے اثر کا احتمال زیادہ ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل توجہ ہے کہ کس شخص نے یہ راز فاش کیا تھا، زوجۂ عزیز تو یہ رسوائی ہرگز گوارا نہ کرتی تھی اور عزیز نے تو خود اسے چھپانے کی تاکید کی تھی رہ گیا وہ حکیم ودانا کہ جس نے اس کا فیصلہ کیا تھا، اس سے تو ویسے ہی یہ کام بعید نظر آتا ہے بہرحال جیسا کہ ہم نے کہا کہ خرابیوں سے پُر ان محلات میں ایسی کوئی چیز نہیں کہ جسے مخفی رکھا جاسکے اور آخرکار ہر بات نامعلوم افراد کی زبانوں سے درباریوں تک اوران سے باہر کی طرف پہنچ جاتی ہے اور یہ فطری امر ہے کہ لوگ اسے زیب داستان کے لئے اور بڑھا چڑھا کر دوسروں تک پہنچاتے ہیں۔

جناب یوسف علیہ السلام کے پاس مصر کی عورتیں

''زوجہ عزیز کو مصر کی حیلہ گر عورتوں کے بارے میں پتہ چلا تو پہلے وہ پریشان ہوئی پھر اسے ایک تدبیر سوجھی اس نے انہیں ایک دعوت پر مدعو کیا فرش سجایا اور قیمتی گاؤ تکئے لگادیئے وہ آبیٹھیں تو ہر ایک کے ہاتھ میں پھل کاٹنے کے لئے چھری تھمادی''۔[۴] (یہ چھریاں پھل کاٹنے کی ضرورت سے زیادہ تیز تھیں)۔

یہ کام خود اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اپنے شوہر کی پرواہ نہ کرتی تھی اور گزشتہ رسوائی سے اس نے کوئی سبق نہ سیکھا تھا۔

---

[۱] سورہ یوسف آیت 30

[۲] سورہ یوسف آیت 30

[۳] سورہ یوسف آیت 30

[۴] سورہ یوسف آیت 31

اس کے بعد اس نے یوسفؑ کو حکم دیا کہ "اس مجلس میں داخل ہو[1]
"تا کہ تنقید کرنے والی عورتیں اس کے حسن و جمال کو دیکھ کر اسے اس کے عشق پر ملامت نہ کریں"۔[2]
زوجہ عزیز نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کہیں باہر نہیں بٹھا رکھا تھا بلکہ اندر کے کسی کمرے میں کہ غالباً جہاں غذا اور پھل رکھا گیا تھا مشغول رکھا تھا تا کہ وہ محفل میں داخل ہونے والے دروازے سے نہ آئیں بلکہ بالکل غیر متوقع طور پر اور اچانک آئیں۔

مصر کی عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے

زنان مصر جو بعض روایات کے مطابق دس یا اس سے زیادہ تھیں جب انہوں نے زیبا قامت اور نورانی چہرہ دیکھا اور ان کی نظر یوسفؑ کے دلربا چہرے پر پڑی تو انہیں یوں لگا جیسے اس محل میں آفتاب اچانک بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا ہے اور آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے۔

وہ اس قدر حیران اور دم بخود ہوئیں کہ انہیں ہاتھ اور پاؤں میں اور ہاتھ اور ترنج بین میں فرق بھول گئیں انہوں نے یوسفؑ کو دیکھتے ہی کہا یہ تو غیر معمولی ہے، وہ خود سے قدر بے خود ہوئیں کہ (ترنج بین کی بجائے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی دلکش آنکھوں میں تو عفت وحیا کا نور ضوفشاں ہے اور ان کے معصوم رخسار شرم وحیا سے گلگوں ہیں تو "سب پکار اٹھیں کہ نہیں یہ جوان ہرگز گناہ سے آلودہ نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگوار آسمانی فرشتہ ہے"۔[3]

تو پھر یوسفؑ سے عشق میں مجھے کیوں ملامت کرتی ہو؟

اس وقت مصر کی عورتیں پوری بازی ہار چکی تھیں ان کے زخمی ہاتھوں سے خون بہہ رہا تھا پریشانی کے عالم میں وہ بے روح مجسمے کی طرح اپنی جگہ چپکی سی بیٹھی تھیں ان کی حالت کہہ رہی تھی کہ وہ بھی نے زوجہ عزیز سے کچھ کم نہیں ہیں، کیا اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کہا: "یہ ہے وہ شخص جس کے عشق پر تم مجھے طعنے دیتی تھیں"۔[4]

گویا زوجہ عزیز چاہتی تھی کہ ان سے کہے کہ تم نے تو یوسفؑ کو ایک مرتبہ دیکھا ہے اور یوں اپنے ہوش وحواس گنوا بیٹھی ہو تو پھر مجھے کیونکر ملامت کرتی ہو جبکہ میں صبح وشام اس کے ساتھ اٹھتی بیٹھتی ہوں، زوجہ عزیز نے جو منصوبہ بنایا تھا اس میں اپنی کامیابی پر وہ بہت مغرور اور پوری صراحت کے ساتھ اپنے گناہ کا اعتراف کیا اور کہا: جی ہاں: "میں نے اسے اپنی آرزو پورا کرنے کے لئے دعوت دی تھی لیکن یہ بچا رہا۔"[5]

اس کے بعد بجائے اس کے کہ اپنے گناہ پر اظہار ندامت کرتی یا کم از کم مہمانوں کے سامنے کچھ پردہ پڑا رہنے دیتی اس نے بڑی بے اعتنائی اور سخت انداز میں کہ جس سے اس کا قطعی ارادہ ظاہر ہوتا تھا، صراحت کے ساتھ اعلان کیا: "اگر اس (یوسفؑ) نے

---

[1] سورہ یوسف آیت 31

[2] سورہ یوسف آیت 31

[3] سورہ یوسف آیت 31

اس بارے میں کہ زنان مصر نے اس وقت اپنے ہاتھوں کی کتنی مقدار کاٹی تھی، مفسرین کے درمیان اختلاف ہے بعض نے یہ بات مبالغہ آمیز طور پر نقل کی ہے لیکن قرآن سے اجمالاً یہی معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔

[4] سورہ یوسف آیت 32

[5] سورہ یوسف آیت 32

میرا حکم نہ مانا اور میرے عشق سوزاں کے سامنے سر نہ جھکایا تو یقیناً اسے قید میں جانا پڑے گا"[1] "نہ صرف یہ کہ میں اسے زندان میں ڈال دوں گی بلکہ قید خانے کے اندر بھی ذلیل وخوار ہوگا۔"[2] فطری امر ہے کہ جب عزیز مصر نے اس واضح خیانت پر اپنی زوجہ سے فقط یہی کہنے پر قناعت کی کہ "اپنے گناہ پر استغفار کر" تو اس کی بیوی رسوائی کی اس منزل تک آ پہنچی اصولی طور پر جیسا کہ ہم نے کہا ہے مصر کے فرعون اور عزیزوں کے دربار میں ایسے مسائل کوئی نئی بات نہ تھی۔

اے یوسف علیہ السلام قبول کرلو

بعض نے تو اس موقع پر ایک تعجب انگیز روایت نقل کی ہے وہ یہ کہ چند زنان مصر جو اس دعوت میں موجود تھیں وہ زوجہ عزیز کی حمایت میں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اسے حق بجانب قرار دیا وہ یوسفؑ کے گرد جمع ہوگئیں اور ہر ایک نے یوسفؑ کو رغبت دلانے کے لئے مختلف بات کی۔

ایک نے کہا: اے جوان: یہ اپنے آپ کو بچانا، یہ ناز ونخرے آخر کس لئے؟ کیوں اس عاشق دلدادہ پر رحم نہیں کرتے؟ اس خیرہ کن جمال دل آرا کو نہیں دیکھتے؟ کیا تمہارے سینے میں دل نہیں ہے؟ کیا تم جوان نہیں ہو؟ کیا تمہیں عشق وزیبائی سے کوئی رغبت نہیں اور کیا تم پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے ہو۔

دوسری نے کہا: میں حیران ہوں چونکہ حسن وعشق کی وجہ سے میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا لیکن کیا تم سمجھتے نہیں ہو کہ وہ عزیز مصر اور اس ملک کے صاحب اقتدار کی بیوی ہے؟ کیا تم یہ نہیں سوچتے کہ اس کا دل تمہارے ہاتھ میں ہو تو یہ ساری حکومت تمہارے قبضے میں ہوگی اور تم جو مقام چاہو تمہیں مل جائے گا؟

تیسری نے کہا: میں حیران ہوں کہ نہ تم اس کے جمال زیبا کی طرف مائل ہو اور نہ اس کے مقام ومال کی طرف لیکن کیا تم یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ ایک خطرناک انتقام جو عورت ہے اور انتقام لینے کی طاقت بھی پوری طرح اس کے ہاتھ میں ہے؟ کیا تمہیں اس کے وحشتناک اور تاریک زندان کا کوئی خوف نہیں؟ کیا تم اس قید تنہائی کے عالم غربت وبیچارگی کے بارے میں غور وفکر نہیں کرتے؟

زندان کی تمنا

ایک طرف عزیز کی دھمکی اور ان آلودہ گناہ عورتوں کا وسوسہ تھا کہ جو اس وقت دلالی کا کھیل کھیل رہیں تھیں اور دوسری طرف یوسفؑ کے لئے ایک شدید بحرانی لحہ تھا، ہر طرف سے مشکلات کے طوفان نے انہیں گھیر رکھا تھا لیکن وہ تو پہلے سے اپنے آپ کو اسلحہ سے آراستہ کئے ہوئے تھے نور ایمان پاکیزگی اور تقویٰ نے ان کی روح میں ایک خاص اطمینان پیدا کر رکھا تھا وہ بڑی شجاعت اور عزم سے اپنے موقف پر اڑے رہے بغیر اس کے کہ وہ ان ہوس باز اور ہوس ران عورتوں سے باتوں میں الجھتے، انہوں نے پروردگار کی بارگاہ کا رخ کیا اور اس طرح سے دعا کرنے لگے: بارالٰہا: "جس کی طرف یہ عورتیں مجھے دعوت دیتی ہیں اس کی نسبت قید خانہ اپنی تمام تر سختیوں کے باوجود مجھے زیادہ محبوب ہے"۔[3]

اس کے بعد چونکہ وہ جانتے تھے کہ تمام حالات میں خصوصاً مشکلات میں لطف الٰہی کے سوا کوئی راہ نجات نہیں کہ جس پر بھر

---

[1] سورہ یوسف آیت 32

[2] سورہ یوسف آیت 32

[3] سورہ یوسف آیت 33

وسہ کیا جائے، انہوں نے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کیا اور اس سے مدد مانگی اور پکارے: پروردگارا! ''اگر تو مجھے ان عورتوں کے مکر اور خطر ناک منصوبوں سے نہ بچائے تو میرا دل ان کی طرف مائل ہوجائے گا اور میں جاہلوں میں سے ہوجاؤں''۔ [۱]

خداوندا: میں تیرے فرمان کا احترام کرتے ہوئے اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتے ہوئے اس وحشت ناک قید خانے کا استقبال کرتا ہوں وہ قید خانہ کہ جس میں میری روح آزاد ہے اور میرا دامن پاک ہے اس کے بدلے میں اس ظاہری آزادی کو ٹھوکر مارتا ہوں کہ جس میں میری روح کو زندان ہوس نے قید کر رکھا ہو اور جو میرے دامن کو آلودہ کرسکتی ہے۔

خدایا: میری مدد فرما، مجھے قوت بخش، اور میری عقل، ایمان اور تقویٰ کی طاقت میں اضافہ فرما تاکہ میں ان شیطانی وسوسوں پر کامیابی حاصل کروں۔

اور چونکہ خداوند عالم کا ہمیشہ سے وعدہ ہے کہ وہ مخلص مجاہدین کی (چاہے وہ نفس کے خلاف برسر پیکار ہوں یا ظاہری دشمن کے خلاف) مدد کرے گا، اس نے یوسفؑ کو اس عالم میں تنہا نہ چھوڑا حق تعالیٰ کا لطف و کرم اس کی مدد کو آگے بڑھا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''اس کے پروردگار نے اس کی اس مخلصانہ دعا کو قبول کیا، ان کے مکر اور سازشوں کو پلٹا دیا، کیونکہ وہ سننے اور جاننے والا ہے۔'' [۲]

وہ بندوں کی دعا بھی سنتا ہے اور ان کے اندرونی اسرار سے بھی آگاہ ہے اور انہیں مشکلات سے بچانے کی راہ سے بھی واقف ہے۔

بے گناہی کی پاداش میں قید

قصر عزیز میں یوسفؑ کی موجودگی میں زنان مصر کی حیران کن محفل اس شور و غوغا کے عالم میں تمام ہوئی، فطری بات تھی کہ یہ خبر عزیز کے کان تک پہنچ گئی ان تمام واقعات سے واضح ہوگیا کہ یوسفؑ کوئی معمولی انسان نہیں ہے اور اس قدر پاکیزہ ہے کہ کوئی طاقت اسے گناہ پر ابھار نہیں سکتی مختلف حوالوں سے اس کی پاکیزگی کی نشانیاں واضح ہوگئیں۔

یوسف علیہ السلام کی قمیص کا پیچھے سے پھٹا ہونا، زنان مصر کے وسوسے کے مقابلے میں استقامت کا مظاہرہ کرنا، قید خانے میں جانے کے لئے آمادہ ہونا اور زوجہ عزیز کی طرف سے قید اور دردناک عذاب کی دھمکیوں کے سامنے سر نہ جھکانا یہ سب اس کی پاکیزگی کی دلیلیں تھیں یہ ایسے دلائل تھے کہ کوئی شخص نہ اسے چھپا سکتا تھا نہ ان کا انکار کرسکتا تھا ان کا لازمی نتیجہ زوجہ عزیز مصر کی ناپاکی اور جرم تھا یہ جرم ثابت ہونے کے بعد عوام میں خاندان عزیز کی جنسی حوالے سے رسوائی کا خوف بڑھ رہا تھا عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو اس کے لئے صرف یہی چارہ دکھائی دیا کہ یوسفؑ کو منظر سے ہٹا دیا جائے، اس طرح سے کہ لوگ اسے اور اس کے نام کو بھول جائیں اس کے لئے ان کی نظر میں بہترین راستہ اسے تاریک قید خانے میں بھیجنا تھا کہ جسے یوسفؑ کو بھلا بھی دیا جائے گا اور وہ یہ بھی سمجھیں گے کہ اصلی مجرم یوسفؑ تھا اسی لئے قرآن کہتا ہے:

''جب انہوں نے (یوسفؑ کی پاکیزگی کی) نشانیاں دیکھ لیں تو پختہ ارادہ کرلیا کہ اسے ایک مدت تک قید میں ڈال دیا جائے''۔ [۳]

پہلے اس کے بارے میں ان کا کوئی ارادہ نہ تھا اور پہلی مرتبہ زوجہ عزیز نے یہ بات احتمال کے طور پر پیش کی تھی، بہرحال اس

---

[۱] سورہ یوسف آیت 33

[۲] سورہ یوسف آیت 34

[۳] سورہ یوسف آیت 35

طرح یوسفؑ پاکدامنی کے گناہ میں قید خانے میں پہنچ گئے اور یہ پہلی مرتبہ نہ تھا کہ ایک قابل اور لائق انسان پاکیزگی کے جرم میں زندان میں گیا۔

زندان کے واقعات

''یوسفؑ کے ساتھ زندان میں داخل ہونے والوں میں دو جوان بھی تھے''۔[1]

جب انسان کسی معمول کے طریقے سے خبروں تک رسائی حاصل نہ کر سکے تو اس کے لئے دوسرے احساسات کو استعمال کرتا ہے تاکہ حوادث کا اندازہ لگا سکے، خواب بھی اس مقصد کے لئے کارآمد ہوسکتا ہے۔

اسی بناء پر دونوں جوان کہ جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ کے گھر مشروبات پر مامور تھا اور دوسرا باورچی خانے کا کنٹرولر دشمنوں کی چغل خوری اور بادشاہ کو زہر دینے کے الزام میں قید تھا، ایک روز یوسفؑ کے پاس آئے دونوں نے اپنا گزشتہ شب کا خواب سنایا جو کہ ان کے لئے عجیب تھا ایک نے کہا:

''میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ شراب بنانے کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں۔''[2]

''دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں نے کچھ روٹیاں سر پر اٹھا رکھی ہیں اور آسمان کے پرندے آتے ہیں اور ان میں سے کھاتے ہیں۔''[3]

اس کے بعد انہوں نے مزید کہا:

''ہمیں ہمارے خواب کی تعبیر بتاؤ، کیونکہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ تم نیکوکاروں میں سے ہو۔''[4]

قید خانہ یا مرکز تربیت

حضرت یوسف علیہ السلام نے قید خانے میں آتے ہی اپنے نیک اطوار، حسن اخلاق اور قیدیوں کی دلجوئی، خدمت اور بیماروں کی عیادت سے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ وہ ایک نیک اور گرہ کشا انسان ہیں اسی لئے قیدی مشکلات میں انہی کی پناہ لیتے تھے اور ان سے مدد مانگتے تھے۔

بہرحال وہ یوسفؑ کہ جو قیدیوں کی ہدایت اور راہنمائی کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے انہوں نے ان دو قیدیوں کی طرف سے تعبیر خواب کے لئے رجوع کرنے کو غنیمت جانا اور اس بہانے سے ایسے اہم حقائق بیان کئے جو ان کے تعبیر خواب سے متعلق اپنی آگاہی کے بارے میں کہ جو ان دو قیدیوں کے لئے بہت اہمیت رکھتے تھے، اور تمام انسانوں کے لئے راستہ کھولنے والے تھے آپ نے پہلے تو ان کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے ان سے کہا: ''تمہارے کھانے کا راشن آنے سے پہلے وہ ان کے خواب کی تعبیر بتا دیں گے''۔[5]

اس کے بعد باایمان اور خدا پرست یوسفؑ کہ جن کے وجود کی گہرائیوں میں توحید پوری وسعت سے جڑ پکڑ چکی تھی، نے یہ

---

[1] سورہ یوسف آیت 35

[2] سورہ یوسف آیت 36

[3] سورہ یوسف آیت 36

[4] سورہ یوسف آیت 36

[5] سورہ یوسف آیت 37

واضح کرنے کے لئے کہ امر الٰہی کے بغیر کوئی چیز حقیقت کا روپ اختیار نہیں کرتی، اپنی بات کو اسی طرح سے جاری رکھا: ''تعبیر خواب کے متعلق میرا یہ علم و دانش ان امور میں سے ہے کہ جن کی تعلیم مجھے میرے پروردگا نے دی ہے''۔ [۱]

نیز اس بناء پر کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ خدا کوئی چیز بغیر کسی بنیاد کے بخش دیتا ہے، آپ نے مزید فرمایا: ''میں نے ان لوگوں کا دین و مذہب ترک کر رکھا ہے کہ جو خدا پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے منکر ہیں اور اس نور ایمان اور تقویٰ نے مجھے اس نعمت کے لائق بنایا ہے''۔ [۲]

اس قوم وملت سے مصر کے بت پرست لوگ یا کنعان کے بت پرست مراد ہیں مجھے ایسے عقائد سے الگ ہی ہونا چاہئے کیو نکہ یہ انسان کی پاک فطرت کے خلاف ہیں، علاوہ ازیں میں نے ایسے خاندان میں پرورش پائی ہے کہ جو وحی ونبوت کا خاندان ہے۔''میں نے اپنے آباءواجداد اور بزرگوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کے دین کی پیروی کی ہے۔'' [۳]

شاید یہ پہلا موقعہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے اپنا تعارف کروایا تا کہ انہیں معلوم ہو جائے کہ وہ وحی ونبوت کے گھرانے سے ہیں اور دیگر بہت سے قیدیوں کی طرح کہ جو طاغوتی نظاموں میں قید ہوتے ہیں، بے گناہ زندان میں ڈالے گئے ہیں۔

قیدیوں کی تعبیر خواب

جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے گذشتہ گفتگو کے بعد ان قیدیوں کے دلوں کو حقیقت توحید قبول کرنے کے لئے آمادہ کر لیا تو ان کی طرف روئے سخن کرتے ہوئے کہا: ''اے میرے قیدی ساتھیو: کیا منتشر خدا اور متفرق معبود بہتر ہیں یا یگانہ و یکتا اور قہار اور ہر چیز پر قدرت رکھنے والا خدا''۔ [۴]

گویا یوسفؑ انہیں سمجھانا چاہتے تھے کہ کیوں تم فقط عالم خواب میں آزادی کو دیکھتے ہو بیداری میں کیوں نہیں دیکھتے، آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا اس کا سبب تمہارا انتشار، تفرقہ بازی اور نفاق نہیں کہ جس کا سرچشمہ شرک، بت پرستی اور ارباب متفرق ہیں جن کی وجہ سے ظالم طاغوت تم پر غالب آگئے ہیں تم لوگ پرچم توحید کے تلے کیوں جمع نہیں ہوتے اور ''اللہ واحد قھار،، کا دامن پرستش کیوں نہیں تھامتے تا کہ ان خودغرض ستمگروں کو اپنے معاشرے سے نکال باہر کرو کہ جو تمہیں بے گناہ اور صرف الزام کی بنیاد پر قید میں ڈال دیتے ہیں۔

اپنے دو قیدی ساتھیوں کو رہبری وارشاد اور انہیں حقیقت توحید کی طرف مختلف پہلوؤں کے حوالے سے دعوت دینے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کے خواب کی تعبیر بیان کی کیونکہ وہ دونوں اسی مقصد کے لئے آپ کے پاس آئے تھے اور آپ نے بھی انہیں وعدہ دیا تھا کہ انہیں ان کے خوابوں کی تعبیر بتائیں گے لیکن آپ نے موقع غنیمت جانا اور توحید کے بارے میں اور شرک کے خلا ف واضح اور زندہ دلائل کے ساتھ گفتگو کی۔

اس کے بعد آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں کی طرف رخ کر کے کہا: ''اے میرے قیدی ساتھیوں: تم میں سے ایک آزاد

---

[۱] سورہ یوسف آیت 37

[۲] سورہ یوسف آیت 37

[۳] سورہ یوسف آیت 38

[۴] سورہ یوسف آیت 39

ہوجائے گا اور اپنے ”ارباب“ کو شراب پلانے پر مامور ہوگا۔“[1]

”لیکن دوسرا سولی پر لٹکا یا جائے گا اور اتنی دیر تک اس کی لاش لٹکائی جائے گی کہ آسمانی پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے۔“[2]

ان دونوں میں سے ایک لٹکا یا جائے گا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ چاہا کہ یہ ناگوار خبر اس سے زیادہ صراحت سے بیان کریں لہٰذا آپ نے تم میں سے ایک“ کہہ کر گفتگو کی اس کے بعد اپنی بات کی تائید کے لئے مزید کہا: یہ معاملہ جس کے بارے میں تم نے مجھ سے سوال کیا ہے اور مسئلہ پوچھا ہے حتمی اور قطعی ہے۔“[3]

یہ اس طرف اشارہ تھا کہ یہ خواب کی کوئی معمولی سی تعبیر نہیں ہے بلکہ ایک غیبی خبر ہے جسے میں نے الٰہی تعلیم سے حاصل کیا ہے لہٰذا اس مقام پر تردد وشک اور چون و چرا کی کوئی گنجائش نہیں۔

جب دوسرے شخص نے یہ ناگوار خبر سنی تو وہ اپنی بات کی تکذیب کرنے لگا اور کہنے لگا: میں نے جھوٹ بولا تھا میں نے ایسا کوئی خواب نہیں دیکھا تھا میں نے مذاق کیا تھا اس کا خیال تھا کہ اگر وہ اپنے خواب کی تردید کردے گا تو اس کی سرنوشت تبدیل ہوجائے گی لہٰذا حضرت یوسف علیہ السلام نے ساتھ ہی یہ بات کہہ دی کہ جس چیز کے بارے میں تم نے دریافت کیا وہ ناقابل تغیر ہے۔

یہ احتمال بھی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی تعبیر خواب پر اس قدر یقین تھا کہ انہوں نے یہ جملہ تاکید کے طور پر کہا۔

بادشاہ کے سامنے مجھے یاد کرنا

لیکن جس وقت آپ نے محسوس کیا کہ یہ دونوں عنقریب ان سے جدا ہوجائیں گے لہٰذا ہوسکتا ہے کہ ان کے ذریعے آزادی کا کوئی دریچہ کھل جائے اور روشنی کی کوئی کرن پھوٹے اور جس گناہ کی آپ کی طرف نسبت دی گئی تھی اس سے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کریں“ آپ نے ان دو قیدی ساتھیوں میں سے جس کے بارے میں جانتے تھے کہ وہ آزاد ہوں گے، اس سے فرمائش کی کہ اپنے مالک وصاحب اختیار (بادشاہ) کے پاس میرے متعلق بات کرنا۔[4] تاکہ وہ تحقیق کرے اور میری بے گناہی ثابت ہوجائے“۔

لیکن اس فراموش کار غلام نے یوسفؑ کا مسئلہ بالکل بھلا دیا جیسا کہ کم ظرف لوگوں کا طریقہ ہے کہ جب نعمت حاصل کر لیتے ہیں تو صاحب نعمت کو فراموش کردیتے ہیں البتہ قرآن نے بات یوں بیان کی ہے:”جب وہ اپنے مالک کے پاس پہنچا تو شیطان نے اس کے دل سے یوسفؑ کی یاد بھلا دی۔“[5]

اور اس طرح یوسفؑ فراموش کردیئے گئے“ اور چند سال مزید قید خانے میں رہے۔“[6]

---

[1] سورہ یوسف آیت 40

[2] سورہ یوسف آیت 41

[3] سورہ یوسف آیت 41

[4] سورہ یوسف آیت 42

[5] سورہ یوسف آیت 42

[6] سورہ یوسف آیت 42

البتہ زندان یا دیگر مشکلات سے نجات کے لئے ایسی کوشش عام افراد کے لئے کوئی اہم مسئلہ نہیں ہے اور طبیعی اسباب سے کام لینے کے ضمن میں ہے لیکن ایسے افراد کے لئے جو نمونہ ہوں اور ایمان وتوحید کی بلند سطح پر فائز ہوں ان کے لئے اشکال سے خالی نہیں ہوسکتی، شاید اسی بناء پر خدا نے یوسف کے اس ”ترک اولیٰ“ کو نظر انداز نہیں کیا اور اس کی وجہ سے ان کی قید چند سال مزید جاری رہی۔

پیغمبرا کرم ﷺ سے ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: مجھے اپنے بھائی یوسفؑ پر تعجب ہوتا ہے کہ انہوں نے کیونکر خالق کے بجائے مخلوق کی پناہ لی اور اس سے مدد طلب کی۔

ایک اور روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اس واقعہ کے بعد جبرائیلؑ یوسفؑ کے پاس آئے اور کہا: کس نے تمہیں سب لوگوں سے زیادہ حسین بنایا؟ کہنے لگے: میرے پروردگار نے۔ کہا: کس نے قافلے کو تمہاری طرف بھیجا تا کہ وہ تمہیں کنویں سے نجات دے؟

بولے: میرے پروردگار نے۔

کہا: کس نے مصر کی عورتوں کے مکر وفریب سے تمہیں دور رکھا؟

کہنے لگے: میرے پروردگار نے۔

اس پر جبرائیل نے کہا: تمہارا پروردگار کہہ رہا ہے کس چیز کے سبب تم اپنی حاجت مخلوق کے پاس لے گئے ہو اور میرے پاس نہیں لائے ہو لہٰذا تمہیں چند سال اور زندان میں رہنا چاہئے۔

بادشاہ مصر کا خواب

حضرت یوسف علیہ السلام سات برس تک قید خانے میں تنگی و سختی میں ایک فراموش شدہ انسان کی طرح رہے وہ خود سازی قیدیوں کو ارشاد و ہدایت بیماروں کی عیادت اور دردمندوں کی دلجوئی میں مصروف رہے یہاں تک کہ ایک ظاہراً چھوٹا سا واقعہ رونما ہوا جس نے نہ صرف ان کی بلکہ مصر اور اس کے اطراف میں رہنے والوں کی سرنوشت کو بدل کے رکھ دیا۔

بادشاہ مصر کہ جس کا نام کہا جاتا ہے کہ ولید بن ریان تھا (اور عزیز مصر اس کا وزیر تھا) اس نے ایک خواب دیکھا یہ ظاہراً ایک پریشان کن خواب تھا، دن چڑھا تو اس نے خواب کی تعبیر بتانے والوں اور اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور کہنے لگا میں نے خوب میں دیکھا ہے کہ ''سات کمزور سی اور سات موٹی تازی گائیں ہیں اور دبلی پتلی گائیں ان پر حملہ آور ہوئی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں نیز سات ہرے بھرے اور سات خشک شدہ خوشے ہیں اور خشک شدہ خوشے سبز خوشوں پر لپٹ گئے ہیں اور انہیں ختم کر دیا ہے''۔[1]

اس کے بعد اس نے ان کی طرف روئے سخن کیا اور کہنے لگا: ''اے قوم کے سردارو: میرے خواب کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بیان کرو اگر تم خواب کی تعبیر بتا سکتے ہو''۔[2] لیکن سلطان کے حواریوں نے فوراً کہا کہ: ''یہ خواب پریشان ہیں اور ہم لوگ ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے''۔[3]

یہاں یہ سوال پیش آتا ہے کہ انہوں نے کس طرح جرأت کی شاہ مصر کے سامنے اس رائے کا اظہار کریں کہ وہ اسے پریشان خواب دیکھنے کا الزام دیں، جبکہ ان حاشیہ نشینوں کا معمول یہ ہے کہ وہ ان کی ہر چھوٹی بڑی اور بے معنی حرکت کے لئے کوئی فلسفہ گھڑتے ہیں اور بڑی معنی خیز تفسیریں کرتے ہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس لئے ہو کہ انہوں نے دیکھا تھا کہ بادشاہ یہ خواب دیکھ کر پریشان و مضطرب ہے اور وہ پریشانی میں حق بجانب بھی تھا کیونکہ اس نے خواب میں دیکھا تھا کہ کمزور اور لاغر گائیں توانا اور موٹی تازی گاؤں پر حملہ آور ہوتی ہیں اور انہیں کھا رہی ہیں اور یہی صورت خشک خوشوں کی تھی، کیا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کمزور لوگ اچانک اس کے

[1] سورہ یوسف آیت 43

[2] سورہ یوسف آیت 44

[3] سورہ یوسف آیت 44

ہاتھ سے حکومت چھین لیں گے لہٰذا انہوں نے بادشاہ کے دل کا اضطراب دور کرنے کے لئے اس سے کہا کہ خواب کسی چیز کی دلیل نہیں ہوتے۔

بادشاہ کے ساقی نے جناب یوسفؑ کو یاد کیا

اس موقع پر بادشاہ کا ساقی کہ جو چند سال قبل قید خانے سے آزاد ہوا تھا اسے قید خانے کا خیال آیا اسے یاد آیا کہ یوسفؑ اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتے ہیں اس نے بادشاہ کے حاشیہ نشینوں کی طرف رخ کر کے کہا: ''میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتا سکتا ہوں مجھے اس کام کے ماہر استاد کے پاس بھیجو کہ جو زندان میں پڑا ہے تا کہ تمہیں بالکل سچ خبر لا کر دوں''۔ [۱]

جی ہاں اس گوشۂ زنداں میں ایک روشن ضمیر صاحب ایمان اور پاک دل انسان زندگی کے دن گزار رہا ہے کہ جس کا دل، حوادث آئندہ کا آئینہ ہے، وہ ہے کہ جو اس راز سے پردہ اٹھا سکتا ہے اور اس خواب کی تعبیر بیان کر سکتا ہے۔

اس کی اس بات نے محفل کی کیفیت ہی بدل دی، سب کی آنکھیں ساقی پر لگ گئیں آخر کار اسے اجازت ملی اور حکم ملا کہ جتنی جلدی ہو سکے اس کام کے لئے نکل کھڑا ہو اور جلد نتیجہ پیش کرے ساقی زندان میں آیا اور اپنے پرانے دوست یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا، وہی دوست جس سے بڑی بے وفائی کی تھی لیکن اس کی عظمت سے توقع نہیں کہ وہ دفتر شکایت کھول بیٹھے۔اس نے حضرت یوسف علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ''یوسفؑ اے سراپا صداقت اس خواب کے بارے میں تم کیا کہتے ہو کہ کسی نے دیکھا ہے کہ سات لاغر گائیں موٹی تازی گایوں کو کھا رہی ہیں نیز سات ہرے گچھے ہیں اور سات خشک شدہ ہیں (کہ جن میں سے دوسرا پہلے سے لپٹ گیا ہے اور اسے نابود کر دیا ہے)'' ''شاید میں اس طرح ان لوگوں کے پاس لوٹ کے جاؤں تو وہ اس خواب کے اسرار سے آگاہ ہو سکیں''۔ [۲]

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے بغیر کسی شرط کے اور بغیر کسی صلہ کے تقاضے کے فوراً خواب کی واضح اور نہایت اعلیٰ تعبیر بیان کی اس میں آپ نے کچھ چھپائے بغیر درپیش تاریک مستقبل کے بارے میں بتایا ساتھ ہی اس کے لئے راہنمائی کر دی اور ایک مرتب پروگرام بتا دیا آپ نے کہا: ''سات سال پیہم محنت سے کاشت کاری کرو کیونکہ ان سات برسوں میں بارش خوب ہوگی لیکن جو فصل کاٹو اسے خوشوں سمیت انباروں کی صورت میں جمع کر لو سوائے کھانے کے لئے جو تھوڑی سی مقدار ضروری ہو''۔ [۳]

لیکن جان لو کہ ان سات برسوں کے بعد سات برس خشک سالی، بارش کی کمی اور سختی کے آئیں گے کہ جن میں صرف اس ذخیرے سے استفادہ کرنا ہوگا جو گزشتہ سالوں میں تمام ذخیرہ کیا ہوگا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے البتہ خیال رہے کہ خشکی اور قحط کے ان سات سالوں میں تمام ذخیرہ شدہ گندم نہ کھا جانا'' بلکہ کچھ مقدار بیج کے طور پر آئندہ کاشت کیلئے رکھ چھوڑنا کیونکہ بعد کا سال اچھا ہوگا''۔ [۴]

اگر خشک سالی اور سختی کے یہ سال تم سوچے سمجھے پرگرام اور پلان کے تحت ایک ایک کر کے گزار لو تو پھر تمہیں کوئی خطرہ نہیں ''اس کے بعد ایک ایسا سال آئے گا کہ خوب باران رحمت ہوگی اور لوگ اس آسمانی نعمت سے خوب بہرہ مند ہوں گے'' [۵]

---

[۱] سورہ یوسف آیت 45

[۲] سورہ یوسف آیت 46

[۳] سورہ یوسف آیت 47

[۴] سورہ یوسف آیت 48

[۵] سورہ یوسف آیت 48

اس سے نہ صرف زراعت اور اناج کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ رس دار پھل اور روغن دار دانے بھی فراواں ہوں گے'' کہ لوگ جن سے رس اور روغن حاصل کریں گے''[1]

مصر کا قیدی یا بہترین رہبر

حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ کس قدر جچی تلی تھی قدیمی کہانیوں میں گائے سال کا سنبل سمجھی جاتی تھی اور اس کا توانا ہونا فراواں نعمت کی دلیل ہے جبکہ لاغر ہونا مشکلات اور سختی کی دلیل ہے سات لاغر گائیں سات توانا گاؤں پر حملہ آور ہوئیں تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سختی کے سات سالوں میں قبل کے سالوں کے ذخائر سے فائدہ اٹھانا چاہئے اور سات خشک شدہ خوشہ یا گچھے جو سات سبز خوشوں سے لپٹ گئے تو یہ فراوانی نعمت اور خشک سالی کے دو مختلف ادوار کے لئے ایک اور دلیل تھی اس میں اس نکتہ کا اضافہ تھا کہ اناج کو خوشوں کی شکل میں ذخیرہ کیا جانا چاہئے تاکہ جلد خراب نہ ہو اور سات برس تک چل سکے۔ نیز یہ کہ لاغر گائیں اور خشک شدہ خوشوں کے سات سے زیادہ نہ تھے یہ امر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ ان سخت سات سالوں کے بعد یہ کیفیت ختم ہو جائے گی اور فطری طور پر بیج کی فکر بھی کرنا چاہئے اور ذخیرے کا کچھ حصہ اس کے لئے محفوظ رکھنا چاہئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام درحقیقت کہ عام تعبیر خواب بیان کرنے والے شخص نہ تھے بلکہ ایک رہبر تھے کہ جو گوشۂ زندان میں بیٹھے ایک ملک کے مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کر رہے تھے اور انہیں کم از کم پندرہ برس کے لئے مختلف مراحل پر مشتمل ایک پلان دے رہے تھے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ یہ تعبیر جو آئندہ کے لئے منصوبہ بندی اور راہنمائی پر مشتمل تھی؛ نے جابر بادشاہ اور اس کے حواریوں کو ہلا کے رکھ دیا اور اہل مصر کے ہلاکت خیز قحط سے نجات کا سبب بنی اور اسی کے سبب حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے اور حکومت کو بھی خود غرض اور خودسر لوگوں سے نجات مل گئی۔

یوسف ؑ ہر الزام سے بری ہو گئے

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر کے خواب کی جو تعبیر بیان کی وہ اس قدر جچی تلی اور منطقی تھی کہ اس نے بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو جذب کر لیا بادشاہ نے دیکھا کہ ایک غیر معروف سے قیدی نے کسی مفاد کی توقع کے بغیر اس خواب کی مشکل تعبیر کس بہترین طریقہ سے بیان کر دی ہے اور ساتھ ہی آئندہ کے لئے نہایت چچا تلا پروگرام بھی پیش کر دیا ہے۔ اجمالاً اس نے سمجھ لیا کہ یہ کوئی غلام قیدی نہیں ہے بلکہ غیر معمولی شخصیت ہے کہ جو کسی پراسرار ماجرے کے باعث قید میں ڈالا گیا ہے لہٰذا اسے اس کے دیدار کا اشتیاق پیدا ہوا لیکن ایسا نہیں کہ سلطنت کا غرور ایک طرف رکھ کر وہ دیدار یوسف ؑ کے لئے چل پڑے بلکہ ''اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ''۔[2]

لیکن جب اس کا فرستادہ یوسف ؑ کے پاس آیا تو بجائے اس کے کہ یوسف ؑ اس خوشی میں پھولے نہ سماتے کہ سالہا سال قید خانے کے گڑھے میں رہنے کے بعد اب نسیم آزادی چل رہی ہے آپ نے بادشاہ کے نمائندہ کو منفی جواب دیا اور کہا کہ میں اس وقت تک زندان سے باہر نہیں آؤں گا، ''جب تک کہ تو اپنے مالک کے پاس جا کر اس سے یہ نہ پوچھے کہ وہ عورتیں جنھوں نے تیرے وزیر (

---

[1] سورہ یوسف آیت 49

[2] سورہ یوسف آیت 50

عزیز مصر کے محل میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا ماجرا کیا تھا"۔ [۱]

وہ نہیں چاہتے تھے کہ ایسے ہی جیل سے رہا ہو جائیں اور شاہ کی طرف سے معین کئے گئے ایک مجرم یا کم از کم ایک ملزم کی صورت میں زندگی بسر کریں وہ چاہتے تھے کہ سب سے پہلے ان کی قید کے سبب کے بارے میں تحقیق ہو اور ان کی بے گناہی اور پاکدامنی پوری طرح درجہء ثبوت کو پہنچ جائے اور برائت کے بعد وہ سربلندی سے آزاد ہوں اور ضمناً حکومت مصر کی مشینری کی آلودگی بھی ثابت ہو جائے اور یہ ظاہر ہو جائے کہ اس کے وزیر کے دربار میں کیا گزرتی ہے۔

جی ہاں: وہ اپنے عزوشرف کو آزادی سے زیادہ اہمیت دیتے تھے اور یہی حریت پسندوں کا راستہ ہے۔

یہ امر جاذب توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو میں اس قدر عظمت کا مظاہرہ کیا کہ یہاں تک تیار نہ ہوئے کہ عزیز مصر کی بیوی کا نام لیں کہ جوان پر الزام لگانے اور جیل بھیجنے کا اصلی عامل تھی بلکہ مجموعی طور پر زنان مصر کے ایک گروہ کی طرف اشارہ کیا کہ جو اس ماجرا میں دخیل تھیں۔

اس کے بعد آپ نے مزید کہا: اگرچہ اہل مصر نہ جانیں اور یہاں تک دربار سلطنت بھی بے خبر ہو کہ مجھے قید کئے جانے کا منصوبہ کیا تھا اور کن افراد کی وجہ سے پیش آیا لیکن "میرا پروردگار ان کے مکروفریب اور منصوبہ سے آگاہ ہے"۔ [۲]

شاہ کا خاص نمائندہ اس کے پاس لوٹ آیا اور یوسفؑ کی تجویز کہ جس سے اعلیٰ ظرفی اور بلند نظری جھلکتی تھی، بادشاہ نے سنی تو وہ یوسفؑ کی بزرگواری سے بہت زیادہ متاثر ہوا لہٰذا اس نے فوراً اس ماجرے میں شریک عورتوں کو بلا بھیجا وہ حاضر ہوئیں تو ان سے مخاطب ہو کر کہنے لگا: "بتاؤ میں دیکھوں کہ جب تم نے یوسفؑ سے اپنی خواہش پورا کرنے کا تقاضا کیا تو اصل معاملہ کیا تھا" [۳]

سچ کہنا، حقیقت بیان کرنا کہ کیا تم نے اس میں کوئی عیب تقصیر اور گناہ دیکھا ہے؟

ان کے خوابیدہ ضمیر اس سوال پر اچانک بیدار ہو گئے" اور سب نے متفقہ طور پر یوسفؑ کی پاکدامنی کی گواہی دی اور کہا: منزہ ہے خدا ہم نے یوسفؑ میں کوئی گناہ نہیں دیکھا"۔ [۴]

زلیخا کا اعتراف

عزیز مصر کی بیوی وہاں موجود تھی بادشاہ اور زنان مصر کی باتیں سن رہی تھی بغیر اس کے کہ کوئی اس سے سوال کرے، ضبط نہ کر سکی اس نے محسوس کیا کہ اب وہ موقعہ آ گیا ہے کہ ضمیر کی سالہا سال کی شرمندگی یوسفؑ کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے ذریعہ تلافی کرے، خصوصاً جب کہ اس نے یوسف علیہ السلام کی بے نظیر عظمت کو اس پیغام میں دیکھ لیا تھا جو انہوں نے بادشاہ کو بھیجا تھا دیکھ لیا کہ اپنے پیغام میں انہوں نے اس کے بارے میں تھوڑی سی بات بھی نہیں کی اور اشارتاً صرف زنان مصر کے بارے میں بات کی ہے اس کے اندار گویا ایک ہلچل مچ گئی" وہ چیخ اٹھی: اب حق آشکار ہو گیا ہے میں نے اس سے خواہش پوری کرنے کا تقاضا کیا تھا وہ سچا ہے۔ [۵] اور

---

[۱] سورہ یوسف آیت 50

[۲] سورہ یوسف آیت 50

[۳] سورہ یوسف آیت 51

[۴] سورہ یوسف آیت 51

[۵] سورہ یوسف آیت 51

میں نے اس کے بارے میں اگر کوئی بات کی ہے تو وہ جھوٹ تھی، بالکل جھوٹ تھی''۔[۱]

زوجہ عزیز نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا: میں نے یہ صریح اعتراف اس بناء پر کیا ہے''تا کہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی غیبت میں اس کے بارے میں خیانت نہیں کی''۔[۲]

کیونکہ اتنی مدت میں اور اس سے حاصل ہونے والے تجربات کے بعد میں نے سمجھ لیا ہے''کہ خدا خیانت کرنے والوں کے مکر و فریب کو چلنے نہیں دیتا''۔[۳]

درحقیقت[۴] اس نے یوسفؑ کی پاکیزگی اور اپنی گنہگاری کے صریح اعتراف کے لئے دو دلیلیں قائم کیں: پہلی یہ کہ اس کا ضمیر اور احتمالاً یوسفؑ سے اس باقی ماندہ لگاؤ اسے اجازت نہیں دیتا اور اسی لئے محلوں کی پرخواب زندگی کے پردے آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہٹ گئے اور وہ زندگی کی حقیقتوں کو سمجھنے لگی کے خصوصاً عشق میں شکست نے اس کے افسانوی غرور پر جو ضرب لگائی اس سے اس کی نگاہ حقیقت اور کھل گئی۔

اس حالت میں تعجب کی بات نہیں کہ وہ اس طرح کا صریح اعتراف کرے۔اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہا: ''میں ہرگز اپنے نفس کی برائت کا اعلان نہیں کرتی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ یہ نفس امارہ مجھے برائیوں کا حکم دیتا ہے، مگر یہ کہ میرا پروردگار رحم کرے''۔[۵]

اور اس کی حفاظت اور نصرت و مدد کے باعث بچ جاؤں[۶] بہرحال اس گناہ پر میں اس سے عفو و بخشش کی امید رکھتی ہوں ''کیونکہ میرا پروردگار غفور و رحیم ہے''[۷]

یوسفؑ، مصر کے خزانہ دار کی حیثیت سے

''بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لے آؤ تا کہ میں اسے اپنا مشیر اور نمائندہ خاص بناؤں''۔[۸] اور اپنی مشکلات حل کرنے کے لئے اس کے علم و دانش اور انتظامی صلاحیت سے مدد لوں۔

بادشاہ کا پرجوش پیام لے کر اس کا خاص نمائندہ قید خانے میں یوسفؑ کے پاس پہنچا۔اس نے بادشاہ کی طرف سے سلام و دعا پہنچایا اور بتایا کہ اسے آپ سے شدید لگاؤ ہو گیا ہے۔اس نے مصر کی عورتوں کے بارے میں تحقیق سے متعلق آپ کی درخواست کو عملی جامہ پہنایا ہے اور سب نے کھل کر آپ کی پاکدامنی اور بے گناہی کی گواہی دی ہے لہٰذا اب تاخیر کرنے کی گنجائش نہیں رہی اٹھئے تا کہ ہم اس کے پاس چلیں حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پاس تشریف لائے''ان کی آپس میں بات چیت ہوئی بادشاہ نے ان کی گفتگو سنی اور آپ کی پرمغز اور نہایت اعلیٰ باتیں سنیں اس نے دیکھا کہ آپ کی باتیں انتہائی علم و دانش اور دانائی سے معمور ہیں اور ہمارے

---

[۱] سورہ یوسف آیت51

[۲] سورہ یوسف آیت52

[۳] سورہ یوسف آیت52

[۴] اگرچہ یہ جملہ عزیز مصر کی بیوی کا ہے جیسا کہ ظاہر عبارت کا تقاضا ہے

[۵] سورہ یوسف آیت35

[۶] سورہ یوسف آیت53

[۷] سورہ یوسف آیت53

[۸] سورہ یوسف آیت53

نزدیک قابل اعتماد رہیں گی"۔[1]

آج سے اس ملک کے اہم کام آپ کے سپرد ہیں اور آپ کو امور کی اصلاح کے لئے کمر ہمت باندھ لینا چاہئے کیونکہ میرے خواب کی جو تعبیر آپ نے بیان کی ہے اس کے مطابق اس ملک کو شدید اقتصادی بحران درپیش ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس بحران پر صرف آپ ہی قابو پا سکتے ہیں۔

"حضرت یوسف علیہ السلام نے تجویز پیش کی مجھے اس علاقے کے خزانوں کی ذمہ داری سونپ دی جائے کیونکہ میں خواب کے اسرار سے بھی واقف ہوں۔"[2]

حضرت یوسف علیہ السلام اچھی طرح جانتے تھے کہ ظلم سے بھرے اس معاشرے کی پریشانیوں کی ایک اہم بنیاد اس کے اقتصادی مسائل ہیں لہٰذا انہوں نے سوچا کہ اب جب کہ انہیں مجبوراً آپ کی طرف آنا پڑا ہے تو کیا ہی اچھا ہے کہ مصر کی اقتصادیات کو اپنے ہاتھ میں لے لیں اور محروم و مستضعف عوام کی مدد کے لئے آگے بڑھیں اور جتنا ہو سکے طبقاتی تفاوت اور اونچ نیچ کو کم کریں مظلوموں کا حق ظالموں سے لیں اور اس وسیع ملک کی بدحالی کو دور کریں۔

آپ کی نظر میں تھا کہ خاص طور پر زرعی مسائل اس ملک میں زیادہ اہم ہیں اس بات پر بھی توجہ رکھنا ہوگی کہ چند سال فراوانی کے ہوں گے اور پھر خشکی کے سال درپیش ہوں گے لہٰذا لوگوں کو زیادہ سے زیادہ غلہ پیدا کرنے اور پھر انہیں احتیاط سے محفوظ رکھنے اور نہایت کم خرچ کرنے پر آمادہ کرنا ہوگا تا کہ قحط سالی کے لئے غلہ ذخیرہ کیا جا سکے، لہٰذا اس مقصد کے لئے آپ کو یہی بہتر معلوم ہوا کہ آپ مصر کے خزانوں کو اپنی سرپرستی میں لینے کی تجویز پیش کریں۔ بعض نے لکھا ہے کہ اس سال بادشاہ سخت مشکلات میں گھرا ہوا تھا اور کسی طرح ان سے نجات چاہتا تھا لہٰذا اس نے تمام امور کی باگ ڈور حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں دے دی اور خود کنارہ کشی اختیار کر لی۔

بعض دوسروں کا کہنا ہے کہ اس نے عزیز مصر کی جگہ حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنا وزیر اعظم بنا لیا۔ یہ احتمال بھی ہے کہ [3] وہ صرف مصر کے خزانہ دار بنے ہوں۔[4] بہرحال اس مقام پر خدا کہتا ہے: "اور اس طرح ہم نے یوسفؑ کو سرزمین مصر پر قدرت عطا کی کہ وہ جیسے چاہتا تھا اس میں تصرف کرتا تھا"۔[5]

جی ہاں: "ہم اپنی رحمت اور مادی و روحانی نعمتیں جسے چاہتے ہیں اور اہل پاتے ہیں عطا کرتے ہیں"[6] اور ہم نیکوں کا اجر ہرگز ضائع نہیں کریں گے"۔ اگرچہ اس میں تاخیر ہو جائے تاہم آخر کار جو کچھ ان کے لائق ہو انھیں دیں گے۔" کیونکہ ہم کسی نیک

---

[1] سورہ یوسف آیت 54

[2] سورہ یوسف آیت 54

[3] سورہ یوسف آیت 55

[4] سورہ یوسف آیت 55 کے ظاہری مفہوم کے مطابق

[5] لیکن سورہ یوسف آیت 100، اور 101، اس امر کی دلیل ہیں کہ آخر کار آپ بادشاہ ہو گئے اور تمام امور مملکت کی باگ ڈور آپ کے ہاتھ آ گئی اگرچہ آیت 88، میں ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے ان سے کہا: (یا ایھا العزیز)۔

یہ اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے عزیز مصر کا منصب سنبھالا مگر اس میں کوئی مانع نہیں کہ آپ نے یہ منصب تدریجاً حاصل کئے ہوں پہلے وزیر خزانہ ہوئے ہوں، پھر وزیر اعظم اور پھر بادشاہ۔

[6] سورہ یوسف آیت 56

کام کو فراموش نہیں کرتے''۔[1]

لیکن اہم بات یہ ہے کہ ہم صرف دنیادی اجر ہی نہیں دیں گے بلکہ ''جو اجر انہیں آخرت میں ملے گا وہ اہل ایمان اور صاحبان تقویٰ کے لئے زیادہ اچھا ہے''۔[2]

سات سال پُر برکت اور سات سال قحط

آخر کار جیسا کہ پیشین گوئی ہوئی تھی سات سال پے در پے بارش ہونے کے سبب اور دریائے نیل کے پانی میں اضافہ کے باعث مصر کی زرعی پیداوار خوب تسلی بخش ہوگئی مصر کا خزانہ اور اقتصادی امور حضرت یوسف علیہ السلام کے زیر نظر تھے آپ نے حکم دیا کہ غذائی اجناس کو خراب ہونے سے بچانے کے لئے چھوٹے بڑے گودام بنائے جائیں آپ نے عوام کو حکم دیا کہ پیداوار سے اپنی ضرورت کے مطابق رکھ لیں اور باقی حکومت کو بیچ دیں اس طرح گودام غلے سے بھر گئے۔

نعمت و برکت کی فراوانی کے یہ سات سال گزر گئے اور خشک سالی کا منحوس دور شروع ہوا یوں لگتا تھا جیسے آسمان زمین کے لئے بخیل ہوگیا ہے کھیتیاں اور نخلستان خشک ہوگئے عوام کو غلے کی کمی کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ جانتے تھے کہ حکومت نے غلے کے ذخائر جمع کر رکھے ہیں لہٰذا وہ اپنی مشکلات حکومت ہی کے ذریعے دور کرتے تھے حضرت یوسفؑ بھی پوری منصوبہ بندی اور پروگرام کے تحت غلہ فروخت کرتے تھے اور عادلانہ طور پر ان کی ضرورت پوری کرتے۔

یہ بات جاذب نظر ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے مصر کے لوگوں میں طبقاتی تفاوت اور لوٹ گھسوٹ کو ختم کرنے کے لئے قحط کے سالوں سے استفادہ کیا، آپ نے زیادہ پیداوار کے عرصے میں لوگوں سے غذائی مواد خرید لیا اور اس کے لئے تیار کئے گئے بڑے بڑے گوداموں میں اسے ذخیرہ کرلیا، جب یہ سال گزر گئے اور قحط کے سال شروع ہوئے تو پہلے سال اجناس کو درہم و دینار کے بدلے بیچا، اس طرح کرنسی کا ایک بڑا حصہ جمع کرلیا، دوسرے سال اسباب زینت اور جواہرات کے بدلے اجناس کو بیچا، البتہ جن کے پاس یہ چیزیں نہ تھیں انہیں مستثنیٰ رکھا تیسرے برس چوپایوں کے بدلے، چوتھے برس غلاموں اور کنیزوں کے عوض، پانچویں برس عمارت کے بدلے، چھٹے برس زرعی زمینوں اور پانی کے عوض اور ساتویں سال خود مصر کے لوگوں کے بدلے اجناس دیں، پھر یہ سب چیزیں انہیں (عادلانہ طور پر) واپس کردیں اور کہا کہ میرا مقصد یہ تھا کہ عوام کو بلا و مصیبت اور بے سروسامانی سے نجات دلاؤں۔

برادران یوسفؑ مصر پہونچے

یہ خشک سالی صرف مصر ہی میں نہ تھی، بلکہ اطراف کے ملکوں کا بھی یہی حال تھا فلسطین اور کنعان مصر کے شمال مشرق میں تھے وہاں کے لوگ بھی انہی مشکلات سے دوچار تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کا خاندان بھی اسی علاقے میں سکونت پذیر تھا وہ بھی غلہ کی کمی سے دوچار ہوگیا حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان حالات میں مصمم ارادہ کیا کہ بنیامین کے علاوہ باقی بیٹوں کو مصر کی طرف بھیجیں یوسفؑ کی جگہ اب بنیامین ہی ان کے پاس تھا بہرحال وہ لوگ مصر کی طرف جانے والے قافلے کے ہمراہ ہو لئے اور بعض مفسرین کے بقول اٹھارہ دن کی مسافت کے بعد مصر پہنچے۔

جیسا کہ تواریخ میں ہے، ضروری تھا کہ ملک کے باہر سے آنے والے افراد مصر میں داخل ہوتے وقت اپنی شناخت کروائیں

---

[1] سورہ یوسف آیت 56

[2] سورہ یوسف آیت 57

تا کہ مامورین حضرت یوسف علیہ السلام کو مطلع کریں جب مامورین نے فلسطین کے قافلے کی خبر دی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ غلے کی درخواست کرنے والوں میں ان کے بھائیوں کے نام بھی ہیں آپ انہیں پہچان گئے اور یہ ظاہر کئے بغیر کہ وہ آپ کے بھائی ہیں، آپ نے حکم دیا کہ انہیں حاضر کیا جائے اور جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''یوسفؑ کے بھائی آئے اور ان کے پاس پہنچے یوسفؑ نے انہیں پہچان لیا لیکن انہوں نے یوسفؑ کو نہیں پہچانا''۔ [1]

وہ یوسفؑ کو نہ پہچاننے میں حق بجانب تھے کیونکہ ایک طرف تو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا (اس دن سے لے کر جب انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینکا تھا ان کے مصر میں آنے تک) اور دوسری طرف وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ ان کا بھائی عزیز مصر ہو گیا ہے یہاں تک کہ اگر وہ اسے اپنے بھائی سے مشابہ بھی پاتے تو اسے ایک اتفاق ہی سمجھتے ان تمام امور سے قطع نظر حضرت یوسفؑ کے لباس کا انداز بھی بالکل بدل چکا تھا انہیں مصریوں کے نئے لباس میں پہچاننا کوئی آسان نہیں تھا بلکہ یوسفؑ کے ساتھ جو کچھ ہو گزرا تھا اس کے بعد ان کی زندگی کا احتمال بھی ان کے لئے بہت بعید تھا۔

بہر حال انہوں نے اپنی ضرورت کا غلہ خریدا اور اس کی قیمت نقدی کی صورت میں اور یا موزے، جوتے یا کچھ اور اجناس کی صورت میں ادا کی کہ جو وہ کنعان سے مصر لائے تھے۔

جناب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے ایک پیشکش کی

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے بہت محبت کا برتاؤ کیا اور ان سے بات چیت کرنے لگے بھائیوں نے کہا: ہم دس بھائی ہیں اور حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں ہمارے والد خدا کے عظیم پیغمبر ابراہیم خلیلؑ کے پوتے ہیں اگر آپ ہمارے باپ کو پہچانتے ہوتے تو ہمارا بہت احترام کرتے ہمارا بوڑھا باپ انبیاء الٰہی میں سے ہے لیکن ایک نہایت گہرے غم نے اس کے پورے وجود کو گھیر رکھا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے پوچھا: یہ غم کس بناء پر ہے۔ انہوں نے کہا: ان کا ایک بیٹا تھا جس سے وہ بہت محبت کرتے تھے، عمر میں وہ ہم سے بہت چھوٹا تھا ایک دن وہ ہمارے ساتھ شکار اور تفریح کے لئے صحرا میں گیا ہم اس سے غافل ہو گئے تو ایک بھیڑیا اسے چیر پھاڑ گیا اس دن سے لے کر آج تک باپ اس کے لئے گریاں اور غمگین ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی عادت تھی کہ ایک شخص کو ایک اونٹ کے بارے زیادہ غلہ نہیں بیچتے تھے حضرت یوسف علیہ السلام کے یہ بھائی چونکہ دس تھے لہٰذا انہیں غلے کے دس بار دیئے گئے۔

انہوں نے کہا: ہمارا بوڑھا باپ ہے اور ایک چھوٹا بھائی ہے جو وطن میں رہ گیا ہے باپ غم واندوہ کی شدت کی وجہ سے سفر نہیں کر سکتا اور چھوٹا بھائی خدمت کے لئے اور مانوسیت کی وجہ سے اس کے پاس رہ گیا ہے لہٰذا ان دونوں کا حصہ بھی ہمیں دے دیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ دو اونٹوں کے بار کا اضافہ کیا جائے پھر حضرت یوسف علیہ السلام ان کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ہوش مند اور مؤدّب افراد ہو اور یہ جو تم کہتے ہو کہ تمہارے باپ کو تمہارے سب سے چھوٹے بھائی سے لگاؤ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر معمولی اور عام بچوں سے ہٹ کر ہے میری خواہش ہے کہ تمہارے آئندہ سفر میں میں اسے ضرور دیکھوں اس کے علاوہ یہاں کے لوگوں کو تمہارے بارے میں کئی بدگمانیاں ہیں کیونکہ تم ایک دوسرے ملک سے تعلق رکھتے ہو لہٰذا بدگمانی کی اس فضاء کو دور کرنے کے لئے آئندہ سفر میں چھوٹے بھائی کو نشانی کے طور پر ساتھ لے آنا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 58

یہاں قرآن کہتا ہے:

''جب یوسفؑ نے ان کے بار تیار کئے تو ان سے کہا: تمہارا بھائی جو باپ کی طرف سے ہے اسے میرے پاس لے آؤ''۔
[۱]

اس کے بعد مزید کہا:

''کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ میں پیمانہ کا حق ادا کرتا ہوں اور بہترین میزبان ہوں''۔[۲]

اس تشویق اور اظہار محبت کے بعد انہیں یوں تہدید بھی کی: ''اگر اس بھائی کو میرے پاس نہ لائے تو نہ تمہیں میرے پاس سے غلہ ملے گا اور نہ تم خود میرے پاس پھٹکنا۔''[۳]

حضرت یوسفؑ چاہتے تھے کہ جیسے بھی ہو بنیامین کو اپنے پاس بلائیں اس کے لئے کبھی وہ لطف و محبت کا طریقہ اختیار کرتے اور کبھی تہدید کا۔

ان تعبیرات سے ضمنی طور پر واضح ہوتا ہے کہ مصر میں غلّات کی خرید و فروخت تول کر نہیں ہوتی تھی بلکہ پیمانے سے ہوتی تھی۔

نیز یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں اور دوسرے مہمانوں کی بہت اچھے طریقے سے پذیرائی کرتے تھے اور ہر حوالے سے مہمان نواز تھے۔

بھائیوں نے ان کے جواب میں کہا: ''ہم اس کے باپ سے بات کریں گے اور کوشش کریں گے کہ وہ رضا مند ہو جائیں اور ہم یہ کام ضرور کریں گے''۔[۴]

اس موقع پر ان کی ہمدردی اور توجہ کو زیادہ سے زیادہ اپنی طرف مبذول کرنے کے لئے ''حضرت یوسفؑ نے اپنے کارندوں سے کہا کہ ان کی نظر بچا کر وہ اموال ان کے غلے میں رکھ دیں جو انہوں نے غلہ اس کے بدلے میں دیئے ہیں تا کہ جب وہ واپس اپنے خاندان میں جا کر اپنا سامان کھولیں تو انہیں پہچان لیں اور دوبارہ مصر کی طرف لوٹ آئیں''۔[۵]

آخر کار باپ راضی ہو گیا

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی مالا مال ہو کر خوشی خوشی کنعان واپس آئے لیکن آئندہ کی فکر تھی کہ اگر باپ چھوٹے بھائی (بنیا

---

[۱] سورہ یوسف آیت 59

[۲] سورہ یوسف آیت 59

[۳] سورہ یوسف آیت 60

[۴] سورہ یوسف آیت 61

[۵] سورہ یوسف آیت 62

حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا: مندرجہ بالا واقعہ کے مطالعہ سے جو پہلا سوال سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے بھائیوں سے اپنا تعارف کیوں نہ کروایا کہ وہ جلد از جلد آپ کو پہچان لیتے اور باپ کے پاس واپس جا کر انہیں آپ کی جدائی کے جانکاہ غم سے نکالتے؟

یہ سوال زیادہ وسیع حوالہ سے بھی سامنے آسکتا ہے اور وہ یہ کہ جس وقت حضرت یوسف کے بھائی آپ کے پاس آئے اس وقت آپ کی زندان سے رہائی کو کوئی اٹھ سال گزر چکے تھے کیونکہ گزشتہ سات سال فراوان نعمتوں پر مشتمل گزر چکے تھے جن کے دوران آپ قحط سالی کے عرصہ کے لئے اناج ذخیرہ کرنے میں مشغول رہے آٹھویں سال قحط کا دور شروع ہوا اس سال یا اس کے بعد آپ کے بھائی غلہ لینے کے لئے مصر آئے، کیا چاہئے نہ تھا کہ ان آٹھ سالوں میں آپ کوئی قاصد کنعان کی طرف بھیجتے اور اپنے والد کو اپنے حالات سے اگاہ کرتے اور انہیں شدید غم سے نجات دلاتے؟

مین) کو بھیجنے پر راضی نہ ہوئے تو عزیز مصر ان کی پذیرائی نہیں کرے گا اور انہیں غلے کا حصہ نہیں دے گا۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے:
''جب وہ باپ کے پاس لوٹ کر آئے تو انہوں نے کہا: ابا جان حکم دیا گیا ہے کہ آئندہ ہمیں غلے کا حصہ نہ دیا جائے اور پیمانہ ہم سے روک دیا جائے''۔

''اب جب یہ صورت درپیش ہے تو ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں تا کہ ہم پیمانہ حاصل کرسکیں، اور آپ مطمئن رہیں ہم اس کی حفاظت کریں گے''۔[1]

باپ کہ جو یوسفؑ کو ہرگز نہیں بھولتا تھا یہ بات سن کر پریشان ہوگیا، ان کی طرف رخ کر کے اس نے کہا: ''کیا میں تم پر اس بھائی کے بارے میں بھروسہ کرلوں جب کہ اس کے بھائی یوسفؑ کے بارے میں گزشتہ زمانے میں تم پر بھروسہ کیا تھا''[2]

بہت سے مفسرین نے مثلاً طبرسی نے مجمع البیان میں، علامہ طباطبائی نے المیزان میں اور قرطبی نے الجامع الاحکام القرآن میں اس سوال کا جواب دیا ہے اور اس سلسلے میں کئی جوابات پیش کئے ہیں ان میں سے زیادہ بہتر یہ نظر آتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت نہ تھی کیونکہ فراق یوسفؑ دیگر پہلوؤں کے علاوہ یعقوبؑ کے لئے بھی ایک امتحان بھی تھا، اور ضروری تھا کہ آزمائش کا یہ دور فرمان الٰہی سے ختم ہوتا، اور اس سے پہلے حضرت یوسف علیہ السلام خبر دینے کے مجاز نہ تھے۔

اس کے علاوہ اگر حضرت یوسف علیہ السلام فوراً ہی اپنے بھائیوں کو اپنا تعارف کروا دیتے تو ممکن تھا کہ اس کا نتیجہ اچھا نہ ہوتا اور ہوسکتا تھا کہ وہ اس سے ایسے وحشت زدہ ہوتے کہ پھر لوٹ کر آپ کے پاس نہ آتے کیونکہ انہیں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ممکن ہے یوسفؑ ان کے گزشتہ رویہ کا انتقام لیں یعنی جب تمہارا ایسا برا ماضی ہے جو بھولنے کے قابل نہیں تو تم کس طرح توقع رکھتے ہو کہ دوبارہ تمہاری فرمائش مان لوں اور اپنے فرزند دلبند کو تمہارے سپرد کردوں اور وہ بھی ایک دور دراز سفر اور پرائے دیس کے لئے، اس کے بعد اس نے مزید کہا: ''ہر حالت میں خدا بہترین محافظ اور ارحم الرحمین ہے''۔[3]

''پھر ان بھائیوں نے جب اپنا سامان کھولا تو انہوں نے بڑے تعجب سے دیکھا کہ وہ تمام چیزیں جو انہوں نے غلے کی قیمت کے طور پر عزیز مصر کو دی تھیں سب انہیں لوٹا دی گئی ہیں اور وہ ان کے سامان میں موجود ہیں''۔[4] جب انہوں نے دیکھا کہ یہ تو ان کی گفتگو پر سند قاطع ہے تو باپ کے پاس آئے اور کہنے لگے: ''ابا جان ہمیں اس سے بڑھ کر اور کیا چاہیئے، دیکھئے انہوں نے ہمارا تمام مال و متاع ہمیں واپس کر دیا ہے''۔[5] کیا اس سے بڑھ کر کوئی عزت و احترام اور مہربانی ہوسکتی ہے کہ ایک غیر ملک کا سربراہ ایسے قحط اور خشک سالی میں ہمیں اناج بھی دے اور اس کی قیمت بھی واپس کردے، وہ بھی ایسے کہ ہم سمجھ ہی نہ پائیں اور شرمندہ نہ ہوں؟ اس سے بڑھ کر ہم کیا تصور کر سکتے ہیں؟

ابا جان اب کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیں ہم اپنے گھر والوں کے لئے اناج لے آئیں گے، اور اپنے بھائی کی حفاظت کی کوشش کریں گے۔ نیز اس کی وجہ سے ایک اونٹ کا بار بھی زیادہ لائیں گے۔ اور عزیز مصر جیسے

---

[1] سورہ یوسف آیت 63
[2] سورہ یوسف آیت 64
[3] سورہ یوسف آیت 64
[4] سورہ یوسف آیت 65
[5] سورہ یوسف آیت 65

محترم، مہربان اور سخی شخص کے لئے کہ جسے ہم نے دیکھا ہے ’’ایک آسان اور معمولی کام ہے‘‘۔ [۱]

ان تمام امور کے باوجود حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے کے لئے راضی نہ تھے لیکن دوسری طرف ان کا اصرار تھا جو واضح منطق کی بنیاد پر تھا یہ صورت حال انھیں آمادہ کرتی تھی کہ وہ ان کی تجویز قبول کرلیں آخرکار انہوں نے دیکھا کہ اس کے بغیر چارہ نہیں کہ مشروط طور پر بیٹے کو بھیج دیا جائے لہٰذا آپ نے ان سے اس طرح سے کہا: ’’میں اسے ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا، جب تک کہ تم ایک خدائی پیمان نہ دو اور کوئی ایسا کام نہ کرو کہ جس سے مجھے اعتماد پیدا ہو جائے کہ تم اسے واپس لے کر آؤ گے مگر یہ موت یا دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ امر تمہارے بس میں نہ رہے‘‘۔ [۲]

’’وثیقہ الٰہی‘‘ سے مراد وہی قسم ہے جو خدا کے نام کے ساتھ ہے۔

بہرحال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے باپ کی شرط قبول کرلی، اور جب انھوں نے اپنے باپ سے عہد و پیمان باندھا تو یعقوب علیہ السلام نے کہا: خدا شاہد، ناظر اور محافظ ہے اس بات پر کہ جو ہم کہتے ہیں۔ [۳]

ایک دروازے سے داخل نہ ہونا

آخرکار حضرت یوسفؑ کے بھائی باپ کی رضامندی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی کو ہمراہ لے کر دوسری مرتبہ مصر جانے کو تیار ہوئے تو اس موقع پر باپ نے انہیں نصیحت کی ’’اس نے کہا: میرے بیٹو تم ایک دروازے سے داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا‘‘۔ [۴]

اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں دوسرے شہروں کی طرح مصر کے دارالخلافہ کے گرداگرد بھی فصیل تھی اس کے بھی برج و بار تھے اور اس کے متعدد دروازے تھے۔

رہا یہ سوال کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کیوں نصیحت کی کہ ان کے بیٹے ایک دروازے سے داخل نہ ہوں بلکہ مختلف حصوں میں تقسیم ہو کر مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہوں، اس کی وجہ قرآن میں مذکور نہیں ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کے بھائی ایک تو بہت حسین و جمیل تھے (اگرچہ وہ یوسفؑ نہ تھے مگر یوسفؑ کے بھائی تو تھے) ان کا قد و قامت بہت اچھا تھا۔

---

[۱] سورہ یوسف آیت 65

[۲] سورہ یوسف آیت 66

[۳] حضرت یعقوبؑ کیسے راضی ہو گئے: مندرجہ بالا واقعہ کے سلسلے میں جو پہلا سوال ذہن میں آتا ہے یہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ بنیامین کو ان کے سپرد کرنے پر کیسے آمادہ ہو گئے جب کہ ان کے بھائی، یوسف علیہ السلام کے بارے میں سلوک کی وجہ سے پہلے برے کردار کے شمار ہوتے تھے حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ وہ صرف یوسف کے بارے میں اپنے دل میں کینہ و حسد نہیں رکھتے تھے بلکہ وہ یہی احساسات اگرچہ نسبتاً خفیف ہی سہی بنیامین کے لئے بھی رکھتے تھے جیسا کہ شروع داستان میں پڑھا۔ ’’انہوں نے کہا کہ یوسف اور اس کا بھائی باپ کے نزدیک ہم سے زیادہ محبوب ہے جب کہ ہم زیادہ طاقتور ہیں‘‘۔

اس نکتہ کی طرف توجہ کرنے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت یوسف والے حادثے کو تیس سے چالیس سال تک کا عرصہ بیت چکا تھا اور حضرت یوسفؑ کے جوان بھائی بڑھاپے کو پہنچ گئے تھے اور فطرتاً ان کا ذہن پہلے زمانے کی نسبت پختہ ہو چکا تھا اس کے علاوہ گھر کے ماحول پر اور اپنے مضطرب وجدان پر اپنے برے ارادے کے اثرات وہ اچھی طرح سے محسوس کرتے تھے اور تجربے نے ان پر ثابت کر دیا کہ یوسف کے فقدان سے نہ صرف یہ کہ ان کے لئے باپ کی محبت میں اضافہ نہ ہوا بلکہ مزید بے مہری اور بے التفاتی پیدا ہو گئی۔ ان سب باتوں سے قطع نظر یہ تو ایک زندگی کا مسئلہ ہے، قحط سالی میں ایک گھرانے کے لئے اناج مہیا کرنا ایک بہت بڑی چیز تھی اور یہ سیر و تفریح کا معاملہ نہ تھا جیسا کہ انہوں نے ماضی میں حضرت یوسفؑ کے متعلق فرمائش کی تھی۔ ان تمام پہلوؤں کے پیش نظر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی بات مان لی، لیکن اس شرط کے ساتھ وہ کہ آپ سے عہد و پیمان باندھیں کہ وہ اپنے بھائی بنیامین کو صحیح و سالم آپ کے پاس واپس لے آئیں گے۔

[۴] سورہ یوسف آیت 67

لہٰذا ان کے باپ پریشان تھے کہ گیارہ افراد اکھٹے جن کے چہرے مہرے سے معلوم ہو کہ وہ مصر کے علاوہ کسی اور ملک سے آئے ہیں، لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس طرح انہیں نظر بدلگ جائے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے اس حکم کے بارے میں جو دوسری علت بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ہوسکتا ہے جب اونچے لمبے چوڑے چکلے مضبوط جسموں والے اکٹھے چلیں تو حاسدوں کو انہیں دیکھ کر حسد پیدا ہو اور وہ ان کے بارے میں حکومت سے کوئی شکایت کرنے لگیں اور ان کے متعلق یہ بدگمانی کریں کہ وہ فتنہ وفساد کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے باپ نے انہیں حکم دیا کہ مختلف دروازوں سے داخل ہوں تا کہ لوگ ان کی طرف متوجہ نہ ہوں۔

بعض مفسرین نے اس کی ایک عرفانی تفسیر بھی کی ہے وہ یہ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام راہنمائے راہ کے حوالے سے اپنے بیٹوں کو ایک باہم معاشرتی مسئلہ سمجھانا چاہتے تھے اور وہ یہ کہ کھوئی ہوئی چیز کو صرف ایک ہی راستے سے تلاش نہ کریں بلکہ ہر دروازے سے داخل ہو کر اسے ڈھونڈیں کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان ایک مقصد تک پہنچنے کے لئے صرف ایک ہی راہ کا انتخاب کرتا ہے اور جب آگے راستہ بند پاتا ہے تو مایوس ہو کر بیٹھ جاتا ہے لیکن اگر وہ اس حقیقت کی طرف متوجہ ہو کہ گمشدہ افراد اور چیزیں عموماً ایک ہی راستے پر جانے سے نہیں ملتیں بلکہ مختلف راستوں سے ان کی جستجو کرنا چاہیے تو عام طور پر کامیاب ہو جاتا ہے۔

برادران یوسفؑ روانہ ہوئے اور کنعان ومصر کے درمیان طویل مسافت طے کرنے کے بعد سرزمین مصر میں داخل ہو گئے۔

بھائی کو روکنے کی کوشش

آخر کار بھائی، یوسفؑ کے پاس پہنچے اور انہیں بتایا کہ ہم نے آپ کے حکم کی تعمیل کی ہے اور باوجود اس کے ہمارے والد پہلے چھوٹے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیجنے پر راضی نہ تھے لیکن ہم نے اصرار کر کے اسے راضی کیا ہے تا کہ آپ جان لیں کہ ہم نے قول وقرار پورا کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے بڑی عزت واحترام سے ان کی پذیرائی کی، انہیں مہمان بلایا اور حکم دیا کہ دسترخوان یا طبق کے پاس دو دو افراد آئیں، انہوں نے ایسا ہی کیا اس موقع پر بنیامین جو تنہا رہ گیا تھا رونے لگا اور کہنے لگا کہ میرا بھائی یوسفؑ زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ ایک دسترخوان پر بٹھاتا کیونکہ ہم پدری بھائی تھے۔ پھر حکم دیا کہ دو دو افراد کے لئے ایک ایک کمرہ سونے کے لئے تیار کیا جائے بنیامین پھر اکیلا رہ گیا تو حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: اسے میرے پاس بھیج دو اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے یہاں جگہ دی لیکن دیکھا کہ وہ بہت دکھی اور پریشان ہے اور ہمیشہ اپنے کھوئے ہوئے بھائی یوسف علیہ السلام کی یاد میں رہتا ہے کہ ایسے میں یوسفؑ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور آپ نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی کو اپنے یہاں جگہ دی اور کہا کہ میں وہی تمہارا بھائی یوسفؑ ہوں، غمگین نہ ہو اور اپنے دل کو دکھی نہ کر اور ان کے کسی کام سے پریشان نہ ہو''۔ [1]

بھائیوں کے کام کہ جو بنیامین کو دکھی اور پریشان کرتے تھے ان سے مراد ان کی وہ نامہربانیاں اور بے التفاتیاں تھیں جو وہ اس کے اور یوسفؑ کے لئے روا رکھتے تھے اور وہ سازشیں کہ جو اسے گھر والوں سے دور کرنے کے لئے انجام دیتے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ تم دیکھ رہے ہو کہ ان کی کارستانیوں سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا بلکہ وہ میری ترقی اور بلندی کا ذریعہ بن

[1] سورہ یوسف آیت 69

گئیں لہٰذا اب تم بھی اس بارے میں اپنے دل کو دکھی نہ کرو۔

اے اہل قافلہ تم چور ہو

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی بنیامین سے کہا: کیا تم پسند کرتے ہو کہ میرے پاس رہ جاؤ، اس نے کہا: ہاں میں تو راضی ہوں لیکن بھائی ہرگز راضی نہیں ہوں گے کیونکہ انہوں نے باپ سے قول وقرار کیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ مجھے ہر قیمت پر اپنے ساتھ واپس لے جائیں گے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: تم فکر نہ کرو میں ایک منصوبہ بناتا ہوں جس سے وہ مجبور ہو جائیں گے کہ تمہیں میرے پاس چھوڑ جائیں۔''غلّات کے بار تیار ہو گئے تو حکم دیا کہ مخصوص قیمتی پیمانہ بھائی کے بار میں رکھ دیں''۔[۱] (کیونکہ ہر شخص کے لئے غلے کا ایک بار دیا جاتا تھا۔

البتہ یہ کام مخفی طور پر انجام پایا اور شاید اس کا علم مامورین میں سے فقط ایک شخص کو تھا۔

جب اناج کو پیمانے سے دینے والوں نے دیکھا کہ مخصوص قیمتی پیمانے کا کہیں نام ونشان نہیں ہے حالانکہ پہلے وہ ان کے پاس موجود تھا لہٰذا جب قافلہ چلنے لگا ''تو کسی نے پکار کر کہا: اے قافلے والو: تم چور ہو''۔[۲]

یوسفؑ کے بھائیوں نے جب یہ جملہ سنا تو سخت پریشان ہوئے اور وحشت زدہ ہو گئے کیونکہ ان کے ذہن میں تو اس کا خیال بھی نہ آسکتا تھا کہ اس احترام واکرام کے بعد ان پر چوری کا الزام لگا یا جائے گا لہٰذا انہوں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: ''تمہاری کونسی چیز چوری ہوگئی ہے''۔[۳]

''انہوں نے کہا ہم سے بادشاہ کا پیمانہ گم ہو گیا ہے اور ہمیں تمہارے بارے میں بدگمانی ہے''۔[۴]

پیمانہ چونکہ گراں قیمت ہے اور بادشاہ کو پسند ہے لہٰذا ''وہ جس شخص کو ملے اور وہ اسے لے آئے تو اسے ایک اونٹ کا بار بطور انعام دیا جائے گا''۔[۵]

پھر بات کہنے والے نے مزید تاکید کے لئے کہا: ''اور میں ذاتی طور پر اس انعام کا ضامن ہوں''۔[۶]

بھائی یہ بات سن کر سخت پریشان ہوئے اور حواس باختہ ہو گئے، وہ نہیں سمجھتے تھے کہ معاملہ کیا ہے، ان کی طرف رخ کر کے انھوں نے کہا:

''انھوں نے کہا: خدا کی قسم تم جانتے ہو کہ ہم یہاں اس لئے نہیں آئے ہیں کہ فتنہ وفساد کریں اور ہم کبھی بھی چور نہیں تھے''۔[۷]

---

[۱] سورہ یوسف آیت 70

[۲] سورہ یوسف آیت 70

[۳] سورہ یوسف آیت 71

[۴] سورہ یوسف آیت 72

[۵] سورہ یوسف آیت 72

[۶] سورہ یوسف آیت 72

[۷] سورہ یوسف آیت 73

یہ سن کر وہ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور'' کہا: لیکن اگر تم جھوٹے ہوئے تو اس کی سزا کیا ہوگی؟''[۱]

انہوں نے جواب میں کہا:'' اس کی سزا یہ ہے کہ جس شخص کے بار میں سے بادشاہ کا پیمانہ مل جائے اسے روک لو اور اسے اس کے بدلے میں لے لو''۔[۲]

'' جی ہاں: ہم اسی طرح ظالموں کو سزا دیتے ہیں۔''[۳]

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حکم دیا کہ ان کے غلات کے بار کھولے جائیں اور ایک ایک کی جانچ پڑتال کی جائے البتہ اس بناء پر کہ ان کے اصلی منصوبے کا کسی کو پتہ نہ چلے،'' اپنے بھائی بنیامین کے بار سے پہلے دوسروں کے سامان کی پڑتال کی اور پھر وہ مخصوص پیمانہ اپنے بھائی کے بار سے برآمد کرلیا''[۴]

اے بنیامین تم نے ہمیں ذلیل کر دیا

پیمانہ برآمد ہوا تو تعجب سے بھائیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے گویا غم واندوہ کا پہاڑ ان کے سروں پر آ گرا اور انہیں یوں لگا جیسے وہ ایک عجیب مقام پر پھنس گئے ہیں کہ جس کے چاروں طرف کے راستے بند ہو گئے ہیں ایک طرف ان کا بھائی ظاہراً ایسی چوری کا مرتکب ہوا جس سے ان کے سر ندامت سے جھک گئے اور دوسری طرف ظاہراً عزیز مصر کی نظروں میں ان کی عزت وحیثیت خطرے میں جا پڑی کہ اب آئندہ کے لئے اس کی حمایت حاصل کرنا ان کے لئے ممکن نہ رہا اور ان تمام باتوں سے قطع نظر انہوں نے سوچا کہ باپ کو کیا جواب دیں گے اور وہ کیسے یقین کرے گا کہ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس موقع پر بھائیوں نے بنیامین کی طرف رخ کر کے کہا: اے بے خبر: تو نے ہمیں رسوا کر دیا ہے اور ہمارا منہ کالا کر دیا ہے تو نے یہ کیسا غلط کام انجام دیا ہے؟ (نہ تو نے اپنے آپ پر رحم کیا، نہ ہم پر اور نہ خاندان یعقوب علیہ السلام پر کہ جو خاندان نبوت ہے) آخر ہمیں بتا تو سہی کہ تو نے کس وقت پیمانہ اٹھایا اور اپنے بار میں رکھ لیا؟

بنیامین نے جو معاملے کی اصل اور قضیے کے باطن کو جانتا تھا ٹھنڈے دل سے جواب دیا کہ یہ کام اسی شخص نے کیا ہے جس نے تمہاری دی ہوئی قیمت تمہارے بار میں رکھ دی تھی لیکن بھائیوں کو اس حادثے نے اس قدر پریشان کر رکھا تھا کہ انہیں پتہ نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

پھر قرآن مزید کہتا ہے:'' ہم نے اس طرح یوسفؑ کے لئے ایک تدبیر کی''۔[۵] (تاکہ وہ اپنے بھائی کو دوسرے بھائیوں کی مخالفت کے بغیر روک سکیں)[۶] اسی بناء پر قرآن کہتا ہے:'' یوسفؑ ملک مصر کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہیں لے سکتے تھے اور

---

[۱] سورہ یوسف آیت 74

[۲] سورہ یوسف آیت 75

[۳] سورہ یوسف آیت 75

[۴] سورہ یوسف آیت 76

[۵] سورہ یوسف آیت 76

[۶] سورہ یوسف آیت 76

اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔" [۱]

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں اور کنعان کے باشندوں میں چوری کی سزا مختلف تھی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور احتمالاً اہل کنعان میں اس عمل کی سزا یہ تھی کہ چور کو اس چوری کے بدلے میں (ہمیشہ کے لیے یا وقتی طور پر) غلام بنا لیا جاتا۔ لیکن مصریوں میں یہ سزا رائج نہ تھی بلکہ چوروں کو دوسرے ذرائع سے مثلاً مار پیٹ سے اور قید و بند وغیرہ سے سزا دیتے تھے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں نقل کیا ہے کہ اس زمانے میں ایک گروہ میں یہ طریقہ رائج تھا کہ وہ چور کو ایک سال کے لیے غلام بنا لیتے تھے۔ نیز یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ خاندان یعقوب علیہ السلام میں چوری کی مقدار کے برابر غلامی کی مدت معین کی جاتی تھی (تا کہ وہ اسی کے مطابق کام کرے)۔

یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی

آخر کار بھائیوں نے یقین کر لیا کہ ان کے بھائی بنیامین نے ایسی قبیح اور منحوس چوری کی ہے اور اس طرح اس نے عزیز مصر کی نظروں میں ان کا سابقہ ریکارڈ سارا خراب کر دیا ہے لہٰذا اپنے آپ کو بری الذمہ کرنے کے لئے انہوں نے کہا: "اگر اس لڑکے نے چوری کی ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ اس کا بھائی یوسفؑ بھی پہلے ایسے کام کا مرتکب ہو چکا ہے"۔ [۲] اور یہ دونوں ایک ہی ماں اور باپ سے ہیں اور ہم جو دوسری ماں سے ہیں ہمارا حساب کتاب ان سے الگ ہے۔

اس طرح سے انہوں نے اپنے اور بنیامین کے درمیان ایک حد فاصل قائم کرنا چاہی اور اس کا تعلق یوسفؑ سے جوڑ دیا۔

یہ بات سن کر یوسفؑ بہت دکھی اور پریشان ہوئے اور "اسے دل میں چھپائے رکھا اور ان کے سامنے اظہار نہ کیا"۔ [۳]

---

[۱] یہاں پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں:

بے گناہ پر چوری کا الزام؟

کیا جائز تھا کہ ایک بے گناہ شخص پر چوری کا اتہام لگایا جائے، ایسا اتہام کہ جس کے بُرے آثار نے باقی بھائیوں کو بھی کسی حد تک اپنی لپیٹ میں لے لیا؟

اس سوال کا جواب بھی خود واقعے میں موجود ہے اور وہ یہ کہ یہ معاملہ خود بنیامین کی رضامندی سے انجام پایا تھا، کیونکہ حضرت یوسف نے پہلے اپنے آپ کو اس سے متعارف کروایا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ منصوبہ خود اس کی حفاظت کے لئے بنایا گیا ہے، نیز اس سے بھائیوں پر بھی کوئی تہمت نہیں لگی البتہ انہیں اضطراب و پریشانی ضرور ہوئی جس میں کہ ایک اہم امتحان کی وجہ سے کوئی ہرج نہ تھا۔

2۔ چوری کی نسبت سب کی طرف کیوں دی گئی؟

کیا (انکم سارقون) "یعنی تم چور ہو" کہہ کر سب کی طرف چوری کی نسبت دینا جھوٹ نہ تھا اور اس جھوٹ اور تہمت کا کیا جواز تھا؟

ذیل کے تجزیے سے اس سوال کا جواب واضح ہو جائے گا:

اولاً یہ معلوم نہیں کہ یہ بات کہنے والے کون لوگ تھے قرآن میں صرف اس قدر ہے "قالوا" یعنی انہوں نے کہا، ہو سکتا ہے یہ بات کہنے والے حضرت یوسف کے کچھ کارندے ہوں کہ جب انہوں نے دیکھا کہ مخصوص پیمانہ نہیں ہے یقین کر لیا کہ کنعان کے قافلے میں سے کسی شخص نے اسے چرا لیا ہے اور یہ معمول ہے کہ اگر کوئی چیز ایسے افراد میں چوری ہو جائے کہ جو ایک ہی گروہ کی صورت میں متشکل ہو اور اصل چور پہچانا نہ جائے تو سب کو مخاطب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم نے یہ کام کیا ہے یعنی تم میں سے ایک نے یا تم میں سے بعض نے ایسا کیا ہے۔

ثانیاً اس بات کا اصلی نشانہ بنیامین تھا جو کہ اس نسبت پر راضی تھا کیونکہ اس منصوبے میں ظاہراً تو اس پر چوری کی تہمت لگی تھی لیکن در حقیقت وہ اس کے اپنے بھائی یوسف کے پاس رہنے کے لئے مقدمہ تھی اور یہ جو سب پر الزام آیا یہ ایک بالکل عارضی سی بات تھی جو صرف برادران یوسفؑ کے سامان کی تلاشی پر ختم ہو گیا اور جو در حقیقت مراد تھا یعنی "بنیامین" وہ پہچان لیا گیا۔

[۲] سورہ یوسف آیت 77

[۳] سورہ یوسف آیت 77

کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات کہہ کر انہوں نے ایک بہت بڑا بہتان باندھا ہے لیکن انہوں نے اس کا کوئی جواب نہ دیا بس اجمالی طور پر اتنا کہا کہ ''جس کی طرف تم یہ نسبت دیتے ہو تم اس سے بدتر ہو یا میرے نزدیک مقام ومنزلت کے لحاظ سے تم بدترین لوگ ہو۔''[۱]

اس کے بعد مزید کہا: ''جو کچھ تم کہتے ہو خدا اس کے بارے میں زیادہ جاننے والا ہے''۔[۲]

یہ ٹھیک ہے کہ یوسفؑ کے بھائیوں نے ان بحرانی لمحوں میں اپنے آپ کو بری الذمہ ثابت کرنے کے لئے اپنے بھائی یوسفؑ پر ایک ناروا تہمت باندھی تھی۔

لیکن پھر بھی اس کام کے لئے کوئی بہانہ اور سند ہونا چاہیے جس کی بناء پر وہ یوسفؑ کی طرف ایسی نسبت دیں۔

اس سلسلے میں مفسرین کاوش وزحمت میں پڑے ہیں اور گذشتہ لوگوں کی تواریخ سے انہوں نے تین روایات نقل کی ہیں۔

پہلی یہ کہ یوسفؑ اپنی ماں کی وفات کے بعد اپنی پھوپھی کے پاس رہا کرتے تھے اور انہیں یوسفؑ سے بہت زیادہ پیار تھا جب آپ بڑے ہوگئے اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں ان کی پھوپھی سے واپس لینا چاہا تو ان کی پھوپھی نے ایک منصوبہ بنایا اور وہ یہ کہ کمر بند یا ایک خاص شال جو حضرت اسحاق علیہ السلام کی جانب سے ان کے خاندان میں بطور یادگار چلی آرہی تھی یوسفؑ کی کمر سے باندھ دی اور دعویٰ کیا کہ یوسفؑ اسے چھپا کے لے جانا چاہتا تھا ایسا انہوں نے اس لئے کیا تاکہ اس کمر بند یا شال کے بدلے یوسفؑ کو اپنے پاس رکھ لیں۔

دوسری روایت یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے مادری رشتہ داروں میں سے ایک کے پاس ایک بت تھا جسے یوسفؑ نے اٹھا کر توڑ دیا اور اسے سڑک پر لا پھینکا لہٰذا انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگا دیا حالانکہ اس میں تو کوئی گناہ نہیں تھا۔

تیسری روایت یہ ہے کہ کبھی کبھار وہ دسترخوان سے کچھ کھانا لے کر مسکینوں اور حاجت مندوں کو دے دیتے تھے لہٰذا بہانہ تراش بھائیوں نے اسے بھی چوری کا الزام دینے کے لئے سند بنا لیا حالانکہ ان میں سے کوئی چیز گناہ کے زمرے میں نہیں تھی۔

اگر ایک شخص کسی کو کوئی لباس پہنا دے اور پہننے والا نہ جانتا ہو کہ یہ کسی دوسرے کا مال ہے تو کیا اسے چوری کا الزام دینا صحیح ہے۔ اسی طرح کیا کسی بت کو اٹھا کر پٹخ دینا گناہ ہے۔ نیز انسان کوئی چیز اپنے باپ کے دسترخوان سے اٹھا کر مسکینوں کو دے دے جب کہ اسے یقین ہو کہ اس کا باپ اس پر راضی ہے تو کیا اسے گناہ قرار دیا جا سکتا ہے۔

برادران یوسفؑ کی فداکاری کیوں قبول نہ ہوئی

بھائیوں نے دیکھا کہ ان کے چھوٹے بھائی بنیامین کو اس قانون کے مطابق عزیز مصر کے پاس رہنا پڑے گا جسے وہ خود قبول کر چکے ہیں اور دوسری طرف انہوں نے باپ سے پیمان باندھا تھا کہ بنیامین کی حفاظت اور اسے واپس لانے کے لئے اپنی پوری کوشش کریں گے ایسے میں انہوں نے یوسفؑ کی طرف رخ کیا جسے ابھی تک انہوں نے پہچانا نہیں تھا اور کہا: ''اے عزیز مصر: اے بزرگور صاحب اقتدار: اس کا باپ بہت بوڑھا ہے اور وہ اس کی جدائی کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا ہم نے آپ کے اصرار پر اسے باپ سے جدا کیا اور باپ نے ہم سے تاکیدی وعدہ لیا کہ ہم ہر قیمت پر اسے واپس لائیں گے اب ہم پر احسان کیجئے اور اس کے

---

[۱] سورہ یوسف آیت 77

[۲] سورہ یوسف آیت 77

بدلے میں ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے، کیونکہ دیکھ رہے ہیں کہ آپ نیکوکاروں میں سے ہیں“۔ [1]

اور یہ پہلا موقع نہیں کہ آپ نے ہم پر لطف وکرم اور مہر ومحبت کی ہے، مہربانی کر کے اپنی کرم نوازیوں کی تکمیل کیجئے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس تجویز کی شدت سے نفی کی ”اور کہا: پناہ بخدا: یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جس کے پاس سے ہمارا مال ومتاع برآمد ہوا ہے ہم اس کے علاوہ کسی شخص کو رکھ لیں“ [2] کبھی تم نے سنا ہے کہ ایک منصف مزاج شخص نے کسی بے گناہ کو دوسرے کے جرم میں سزا دی ہو۔ ”اگر ہم ایسا کریں تو یقیناً ہم ظالم ہوں گے“۔ [3] یہ امر قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی اس گفتگو میں بھائی کی طرف چوری کی کوئی نسبت نہیں دی بلکہ کہتے ہیں کہ ”جس شخص کے پاس سے ہمیں ہمارا مال ومتاع ملا ہے“ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس امر کی طرف سنجیدگی سے متوجہ تھے کہ اپنی پوری زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہ کریں۔

بھائی سر جھکائے باپ کے پاس پہنچے

بھائیوں نے بنیامین کی رہائی کے لئے اپنی آخری کوشش کر ڈالی لیکن انہوں نے اپنے سامنے راستے بند پائے ایک طرف تو اس کام کو کچھ اس طرح سے انجام دیا گیا تھا کہ ظاہرا بھائی کی برائت ممکن نہ تھی اور دوسری طرف عزیز مصر نے اس کی جگہ کسی اور فرد کو رکھنے کی تجویز قبول نہ کی لہٰذا وہ مایوس ہوگئے یوں انہوں نے کنعان کی طرف لوٹ جانے اور باپ سے سارا ماجرا بیان کرنے کا ارادہ کر لیا قرآن کہتا ہے: ”جس وقت وہ عزیز مصر سے یا بھائی کی نجات سے مایوس ہوگئے، تو ایک طرف کو آئے دوسروں سے الگ ہوگئے اور سرگوشی کرنے لگے“۔ [4]

بہرحال سب سے بڑے بھائی نے اس خصوصی میٹنگ میں ان سے کہا: ”کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے الٰہی پیمان لیا ہے کہ بنیامین کو ہر ممکنہ صورت میں ہم واپس لائیں گے“۔ [5] ”اور تمہیں نے اس سے پہلے بھی یوسفؑ کے بارے میں کوتاہی کی اور باپ کے نزدیک تمہارا گزشتہ کردار برا ہے“۔ [6]

”اب جبکہ معاملہ یوں ہے تو میں اپنی جگہ سے (یا سرزمین مصر سے) نہیں جاؤں گا اور یہیں پڑاؤ ڈالوں گا، مگر یہ کہ میرا باپ مجھے اجازت دے دے یا خدا میرے متعلق کوئی فرمان صادر کرے جو کہ بہترین حاکم وفرماں روا ہے“۔ [7]

پھر بڑے بھائی نے دوسرے بھائیوں کو حکم دیا کہ ”تم باپ کے پاس لوٹ جاؤ اور کہو: ابا جان آپ کے بیٹے نے چوری کی ہے، اور یہ جو ہم گواہی دے رہے ہیں اتنی ہی ہے جتنا ہمیں علم ہوا ہے“۔ [8] بس ہم نے اتنا دیکھا کہ بادشاہ کا پیمانہ ہمارے بھائی کے بارسے برآمد ہوا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے چوری کی ہے، باقی رہا امر باطن تو وہ خدا جانتا ہے ”اور ہمیں غیب کی خبر نہیں“۔ [9]

---

[1] سورہ یوسف آیت 78
[2] سورہ یوسف آیت 79
[3] سورہ یوسف آیت 79
[4] سورہ یوسف آیت 80
[5] سورہ یوسف آیت 80
[6] سورہ یوسف آیت 80
[7] سورہ یوسف آیت 80
[8] سورہ یوسف آیت 81
[9] سورہ یوسف آیت 81

ممکن ہے یہ احتمال بھی ہے کہ بھائیوں کا مقصد یہ ہو کہ وہ باپ سے کہیں کہ اگر ہم نے تیرے پاس گواہی دی اور عہد کیا کہ ہم بھائی کو لے جائیں گے اور واپس لے آئیں گے تو یہ اس بناء پر تھا کہ ہم اس کے باطن سے باخبر نہ تھے اور غیب سے آگاہ نہ تھے کہ اس کا انجام یہ ہوگا، پھر اس بناء پر کہ باپ سے ہر طرح کی بدگمانی دور کریں اور اسے مطمئن کریں کہ ماجرا اسی طرح ہے نہ اس سے کم اور نہ اس سے زیادہ، انہوں نے کہا: "مزید تحقیق کے لئے اس شہر سے سوال کر لیں جس میں ہم تھے، اسی طرح اس قافلہ سے پوچھ لیں"۔ [۱]

بہرحال "آپ مطمئن رہیں کہ ہم اپنی بات میں سچے ہیں اور حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہتے"۔ [۲] اس ساری گفتگو سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیامین کی چوری کا واقعہ مصر میں مشہور ہو چکا تھا یہ بات شہرت پا چکی تھی کہ کنعان سے ایک قافلہ یہاں آیا ہے اس میں سے ایک شخص بادشاہ کا پیمانہ اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا بادشاہ کے مامورین بروقت پہنچ گئے اور انہوں نے اس شخص کو روک لیا، شاید بھائیوں نے جو یہ کہا کہ مصر کے علاقے سے پوچھ لیں یہ اس طرف کنایہ ہو کہ یہ واقعہ اس قدر مشہور ہو چکا ہے کہ در و دیوار کو اس کا علم ہے۔

میں وہ الطاف الٰہی جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے

بھائی مصر سے چل پڑے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے بھائی کو وہاں چھوڑ آئے اور پریشان و غم زدہ کنعان پہنچے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس سفر سے واپسی پر باپ نے جب گزشتہ سفر کے برعکس و اندوہ کے آثار ان کے چہروں پر دیکھے تو سمجھ گئے کہ کوئی ناگوار خبر لائے ہیں خصوصاً جب کہ بنیامین اور سب سے بڑا بھائی ان کے ہمراہ نہ تھا جب بھائیوں نے بغیر کسی کی بیشی کے ساری آپ بیتی کہہ دی تو یعقوب بہت حیران ہوئے اور ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگے: "تمہاری نفسانی خواہشات نے یہ معاملہ تمہارے سامنے اس طرح سے پیش کیا ہے اور اسے اس طرح سے مزین کیا ہے"۔ [۳]

اس کے بعد یعقوب اپنی جانب متوجہ ہوئے اور کہنے لگے کہ "میں صبر کا دامن اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا اور میں اچھا صبر کروں گا کہ جو کفران سے خالی ہو"۔ [۴]

"مجھے امید ہے کہ خدا ان سب کو (یوسف، بنیامین اور میرے بڑے بیٹے کو) میری طرف پلٹا دے گا"۔ [۵] کیونکہ میں جانتا ہوں کہ "وہ ان سب کے دل کی داخلی کیفیات سے باخبر ہے، اس کے علاوہ، وہ حکیم بھی ہے، اور وہ کوئی کام بغیر کسی حساب کتاب کے نہیں کرتا"۔ [۶]

اس وقت یعقوب رنج و غم میں ڈوب گئے بنیامین کہ ان کے دل کی ڈھارس تھا واپس نہ آیا تو انہیں اپنے پیارے یوسفؑ کی یاد آ گئی انہیں خیال آیا کہ اے کاش آج وہ آبرومند، باایمان اور حسین و جمیل بیٹا ان کی آغوش میں ہوتا اور اس کی پیاری خوشبو ہر لحہ باپ

---

[۱] سورہ یوسف آیت 82
[۲] سورہ یوسف آیت 82
[۳] سورہ یوسف آیت 83
[۴] سورہ یوسف آیت 83
[۵] سورہ یوسف آیت 83
[۶] سورہ یوسف آیت 83

کو ایک حیات نوبخشتی لیکن آج نہ صرف یہ کہ اس کا نام ونشان نہیں بلکہ اس کا جانشین بنیامین بھی اس کی طرح ایک دردناک معاملے میں گرفتار ہوگیا ہے''اس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے رخ پھیر لیا اور کہا: ہائے یوسف''۔[1]

برادران یوسفؑ شرمندہ اور حضرت یعقوب علیہ السلام نابینا ہو گئے

بھائی جو پہلے ہی بنیامین کے ماجرے پر باپ کے سامنے شرمندہ تھے یوسفؑ کا نام سن کر فکر میں ڈوب گئے ان کے ماتھے پر عرق ندامت کے قطرے چمکنے لگے۔''حزن وملال اتنا بڑھا کہ یعقوب کی آنکھوں سے بے اختیار اشکوں کا سیلاب بہہ نکلا یہاں تک کہ ان کی آنکھیں درد وغم سے سفید اور نابینا ہوگئیں''۔[2] لیکن اس کے باوجود وہ کوشش کرتے تھے کہ ضبط کریں اور اپنا غم وغصہ پی جائیں اور رضائے حق کے خلاف کوئی بات نہ کہیں''وہ باحوصلہ اور جواں مرد تھے اور انہیں اپنے غصہ پر پورا کنٹرول تھا''۔[3]

ظاہر قرآن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی اس وقت تک نابینا نہیں ہوئے تھے لیکن جب کہ رنج وغم کئی گناہ بڑھ گیا اور آپ مسلسل گریہ وزاری کرتے رہے اور آپ کے آنسو تھمنے نہ پائے تو آپ کی بینائی ختم ہوگئی اور جیسا کہ ہم وہاں بھی اشارہ کر چکے ہیں کہ یہ کوئی اختیاری چیز نہ تھی کہ جو صبر جمیل کے منافی ہو۔

بھائی کہ جو ان تمام واقعات سے بہت پریشان تھے، ایک طرف تو ان کا ضمیر حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے کی بناء پر انہیں عذاب دیتا اور دوسری طرف وہ بنیامین کی وجہ سے اپنے آپ کو ایک نئے امتحان کی چوکھٹ پر پاتے اور تیسری طرف باپ کا اتنا غم اور دکھ ان پر بہت گراں تھا، لہٰذا انہوں نے پریشانی اور بے حوصلگی کے ساتھ باپ سے''کہا: بخدا تو اتنا یوسفؑ یوسفؑ کرتا ہے کہ بیمار ہو جائے گا اور موت کے کنارے پہنچ جائے گا یا ہلاک ہو جائے گا''۔[4] لیکن کنعان کے اس مرد بزرگ اور روشن ضمیر پیغمبر نے ان کے جواب میں کہا:''میں نے تمہارے سامنے اپنی شکایت پیش نہیں کی جو اس طرح کی باتیں کرتے ہو، میں اپنا درد وغم بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہوں اور اس کے یہاں اپنی شکایت پیش کرتا ہوں، اور اپنے خدا کی طرف سے مجھے معلوم ہے کہ جن سے غم بے خبر ہوا''۔[5]

کوشش کرو اور مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی کفر کی نشانی ہے

مصر اور اطراف مصر جس میں کنعان بھی شامل تھا: میں قحط ظلم ڈھا رہا تھا۔ اناج بالکل ختم ہوگیا تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے دو بارہ اپنے بیٹوں کو مصر کی طرف جانے اور غلہ حاصل کرنے کا حکم دیا لیکن اس مرتبہ اپنی آرزوؤں کی بنیاد یوسفؑ اور ان کے بھائی بنیامین کی تلاش کو قرار دیا''اور کہا: میرے بیٹو جاؤ اور یوسفؑ اور اسکے بھائی کو تلاش کرو''۔[6]

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے چونکہ اس بارے میں تقریباً مطمئن تھے کہ یوسفؑ موجود ہی نہیں اس لئے وہ باپ کی اس نصیحت اور تاکید پر تعجب کرتے تھے، یعقوب ان کے گوش گزار کر رہے تھے:''رحمت الٰہی سے کبھی مایوس نہ ہونا'' کیونکہ اس کی قدرت

---

[1] سورہ یوسف آیت 84
[2] سورہ یوسف آیت 84
[3] سورہ یوسف آیت 84
[4] سورہ یوسف آیت 85
[5] سورہ یوسف آیت 86
[6] سورہ یوسف آیت 87

تمام مشکلوں اور سختیوں سے مافوق ہے۔[1] ’’کیونکہ صرف یہ کافر ہی ہیں کہ جو قدرت خدا سے بے خبر ہیں اس کی رحمت سے مایوس ہوتے ہیں‘‘۔[2]

بہر حال فرزندان یعقوب نے اپنا مال واسباب باندھا اور مصر کی طرف چل پڑے اور اب کے وہ تیسری مرتبہ داستا نو ں سے معمور اس سرزمین پر پہنچے گزشتہ سفروں کے برخلاف اس سفر میں ان کی روح کو ایک احساس ندامت کچوکے لگا رہا تھا کیونکہ مصر میں اور عزیز مصر کے نزدیک ان کا سابقہ کردار بہت برا تھا اور وہ بدنام ہو چکے تھے اور اندیشہ تھا کہ شاید بعض لوگ انہیں ’’کنعان کے چور‘‘ کے عنوان سے پہچانیں دوسری طرف ان کے پاس گندم اور دوسرے اناج کی قیمت دینے کے لئے درکار مال ومتاع موجود نہیں تھا اور ساتھ ہی بھائی بنیامین کے کھو جانے اور باپ کی انتہائی پریشانی نے ان کی مشکلات میں اضافہ کر دیا تھا۔ گویا تلوار ان کے حلقوم تک پہنچ گئی تھی بہت ساری مشکلات اور روح فرسا پریشانیوں نے انہیں گھیر لیا تھا ایسے میں جو چیز ان کے تسکین قلب کا باعث تھی وہ صرف باپ کا آخری جملہ تھا جس میں آپ نے فرمایا تھا کہ کبھی خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کے لئے ہر مشکل آساں ہے۔

اس عالم میں ’’وہ یوسفؑ کے پاس پہنچے اور اس وقت انتہائی پریشانی کے عالم میں انہوں نے اس کی طرف رخ کیا اور کہا: اے عزیز! ہمیں اور ہمارے خاندان کو قحط، پریشانی اور مصیبت نے گھیر لیا ہے[3] اور ہمارے پاس صرف تھوڑی سی کم قیمت پونجی ہے[4] لیکن پھر بھی ہمیں تیرے کرم اور شفقت پر بھروسہ ہے اور ہمیں توقع ہے کہ تو ہمارا پیمانہ بالکل پورا کرے گا[5] اور اس معاملہ میں ہم پر احسان کرتے ہوئے بخشش کر‘‘۔[6]

’’اور اپنا اجر وثواب ہم سے نہ لے بلکہ اپنے خدا سے لے کیونکہ خدا کریموں اور صدقہ کرنے والوں کو اجر خیر دیتا ہے‘‘۔[7] یہ امر قابل توجہ ہے کہ برادران یوسفؑ کو باپ نے تاکید کی تھی کہ پہلے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے لئے جستجو کریں اور بعد میں اناج کا تقاضہ کریں شاید اسکی وجہ یہ ہو کہ انہیں یوسفؑ کے ملنے کی امید نہ تھی یا ممکن ہے انہوں نے سوچا ہو کہ بہتر ہے کہ اپنے کو اناج کے خریداروں کے طور پر پیش کریں جو کہ زیادہ طبیعی اور فطری ہے اور بھائی کی آزادی کا تقاضا ضمناً رہنے دیں تاکہ یہ چیز عزیز مصر پر زیادہ اثر انداز ہو، بعض نے کہا کہ (تصدق علینا) سے مراد وہی بھائی کی آزادی ہے ورنہ وہ اناج بغیر معاوضہ کے حاصل نہیں کرنا چاہتے تھے کہ اسے (تصدق) قرار دیا جاتا۔

جناب یوسف علیہ السلام نے روتے ہوئے باپ کے خط کو چوما

روایات میں بھی ہے کہ بھائی باپ، کی طرف سے عزیز مصر کے نام ایک خط لے کر آئے تھے اس خط میں حضرت یعقوب علیہ السلام نے عزیز مصر کے عدل وانصاف کا تذکرہ کیا اپنے خاندان سے اس کی محبتوں اور شفقتوں کی تعریف کی پھر اپنا اور اپنے

---

[1] سورہ یوسف آیت 87
[2] سورہ یوسف آیت 87
[3] سورہ یوسف آیت 87
[4] سورہ یوسف آیت 88
[5] سورہ یوسف آیت 88
[6] سورہ یوسف آیت 88
[7] سورہ یوسف آیت 88

خاندان نبوت کا تعارف کروایا اپنی پریشانیوں کا ذکر کیا اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں اپنے بیٹے یوسفؑ اور دوسرے بیٹے بنیامین کے کھو جانے اور خشک سالی سے پیدا ہونے والی مصیبتوں کا ذکر کیا خط کے آخر میں اس سے خواہش کی گئی تھی کہ بنیامین کو آزاد کر دے اور تاکید کی تھی کہ ہمارے خاندان میں چوری وغیرہ ہرگز نہ تھی اور نہ ہوگی۔

جب بھائیوں نے باپ کا خط عزیز مصر کو دیا تو انہوں نے اسے لے کر چوما اور اپنی آنکھوں پر رکھا اور رونے لگے گریہ کا یہ عالم تھا کہ قطرات اشک ان کے پیراہن پر گرنے لگے (یہ دیکھ کر بھائی حیرت وفکر میں ڈوب جاتے ہیں کہ عزیز کو ان کے باپ سے کیا لگاؤ ہے وہ سوچتے ہیں کہ ان کے باپ کے خط نے اس میں ہیجان واضطراب کیوں پیدا کر دیا ہے شاید اسی موقع پر ان کے دل میں یہ خیال بجلی کی طرح اترا ہو کہ ہو نہ ہو یہی خود یوسفؑ ہو اور شاید باپ کے اسی خط کی وجہ سے یوسفؑ اس قدر بے قرار ہو گئے کہ اب مزید اپنے آپ کو عزیز مصر کے نقاب میں نہ چھپا سکے اور جیسا کہ ہم دیکھیں گے کہ بہت جلد بھائیوں سے بھائی کی حیثیت سے اپنا تعارف کروایا۔

کیا تو وہی یوسفؑ ہے؟

اس موقع پر جبکہ دور آزمائش ختم ہو رہا تھا اور یوسفؑ بھی بہت بے تاب اور سخت پریشان نظر آ رہے تھے، تعارف کے لئے گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے بھائیوں کی طرف رخ کر کے آپ نے کہا: ''تمہیں معلوم ہے کہ جب تم جاہل و نادان تھے تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا''۔ [1]

حضرت یوسف علیہ السلام کی عظمت اور شفقت ملاحظہ کیجئے کہ اولاً تو ان کا گناہ مجمل طور پر بیان کیا اور کہا (ما فعلتم) ''جو کچھ تم نے انجام دیا'' اور ثانیاً انہیں عذرخواہی کا راستہ دکھایا کہ تمہارے یہ اعمال وافعال جہالت کی وجہ سے تھے اور اب جہالت کا زمانہ گذر گیا ہے اور اب تم عاقل اور سمجھدار ہو۔

ضمناً اس گفتگو سے واضح ہوتا ہے کہ گزشتہ زمانے میں انہوں نے صرف یوسفؑ پر ظلم نہیں ڈھایا تھا بلکہ بنیامین بھی اس دور میں ان کے شر سے محفوظ نہیں تھے اور انہوں نے اس کے لئے بھی اس زمانہ میں مشکلات پیدا کی تھیں جب بنیامین مصر میں یوسفؑ کے پاس تھے شاید ان دنوں میں انہوں نے ان کی کچھ بے انصافیاں اپنے بھائی کو بتائی ہوں۔

بعض روایات میں ہے کہ وہ زیادہ پریشان نہ ہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ عزیز مصر ہم سے انتقام لینے والا ہے یوسفؑ نے اپنی گفتگو کو ایک تبسم کے ساتھ ختم کیا اس تبسم کی وجہ سے بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے خوبصورت دانت پوری طرح نظر آ گئے جب انہوں نے خوب غور کیا تو انہیں محسوس ہوا کہ یہ دانت ان کے بھائی یوسفؑ سے عجیب مشابہت رکھتے ہیں، اس طرح بہت سے پہلو جمع ہو گئے ایک طرف تو انہوں نے دیکھا کہ عزیز مصر یوسفؑ کے بارے میں اور اس پر بھائیوں کی طرف سے کئے گئے مظالم کے بارے میں گفتگو کر رہا ہے جنہیں سوائے ان کے اور یوسفؑ کے کوئی نہیں جانتا تھا۔

دوسری طرف انہوں نے دیکھا کہ یعقوب کے خط نے اسے اس قدر مضطرب کر دیا ہے جیسے اس کا یعقوب سے کوئی بہت ہی قریبی تعلق ہو، تیسری طرف وہ اس کے چہرے مہرے پر جتنا غور کرتے انہیں اپنے بھائی یوسفؑ سے بہت زیادہ مشابہت دکھائی دیتی لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ یوسفؑ عزیز مصر کی مسند پر پہنچ گیا ہو وہ سوچتے کہ یوسفؑ کہاں اور یہ مقام کہاں

[1] سورہ یوسف آیت 89

ں؟ لہٰذا انہوں نے شک وتردد کے لہجہ میں ''کیا تم خود یوسفؑ تو نہیں''۔ [1]

اس موقع بھائیوں پر بہت زیادہ حساس لمحات گذرے کیونکہ صحیح طور پہ معلوم بھی نہ تھا کہ عزیز مصر ان کے سوال کے جواب میں کیا کہے گا کیا سچ مچ وہ پردہ ہٹا دے گا اور اپنا تعارف کروائے گا یا انہیں دیوانہ اور بے وقوف سمجھ کر خطاب کرے گا کہ انہوں نے ایک مضحکہ خیز بات کی ہے گھڑیاں بہت تیزی سے گزر رہی تھیں انتظار کے روح فرسا لمحے ان کے دل کو بوجھل کر رہے تھے لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے نہ چاہا کہ یہ زمانہ طویل ہو جائے اچانک انہوں نے حقیقت کے چہرے سے پردہ ہٹایا اور کہا: ''ہاں میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا بھائی بنیامین ہے''۔ [2]

لیکن اس بناء پر کہ وہ خدا کی نعمت کا شکر ادا کریں کہ جس نے یہ سب نعمات عطا فرمائی تھیں اور ساتھ ہی بھائیوں کو بھی ایک عظیم درس دیں انہوں نے مزید کہا: ''خدا نے ہم پر احسان کیا ہے جو شخص بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرے گا خدا اسے اس کا اجر وثواب دے گا کیونکہ خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا''۔ [3] کسی کو معلوم نہیں کہ ان حساس لمحات میں کیا گزری اور جب دسیوں سال بعد بھائیوں نے ایک دوسرے کو پہنچانا تو کیسا شور وغل بپا کیا وہ کس طرح آپس میں بغل گیر ہوئے اور کس طرح سے ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو ٹپک پڑے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود بھائی اپنے آپ میں شرمندہ تھے وہ یوسفؑ کے چہرے کی طرف نظر بھر کے نہیں دیکھ پا رہے تھے وہ اسی انتظار میں تھے کہ دیکھیں ان کا عظیم گناہ بخشش وعفو کے قابل ہے یا نہیں لہٰذا انہوں نے بھائی کی طرف رخ کیا اور کہا: ''خدا کی قسم: اللہ نے تجھے ہم پر مقدم کیا ہے۔ [4] اور تجھے ترجیح دی ہے اور علم وحلم اور عقل وحکومت کے لحاظ سے تجھے فضیلت بخشی ہے یقیناً ہم خطا کار اور گناہ گار تھے''۔ [5]

آج رحمت کا دن ہے

لیکن یوسفؑ نہیں چاہتے تھے کہ بھائی اس طرح شرمسار رہیں خصوصاً جب کہ یہ ان کی اپنی کامیابی وکامرانی کا موقع تھا یا یہ کہ احتمالاً بھائیوں کے ذہن میں یہ بات آئے کہ یوسفؑ اس موقع پر انتقام لے گا لہٰذا فوراً یہ کہہ کر انہیں مطمئن اور پرسکون کر دیا کہ ''آج تمہیں کوئی سرزنش اور توبیخ نہیں ہوگی''۔ [6] تمہاری فکر آسودہ رہے اور وجدان کو راحت رہے اور گذشتہ گناہوں پر غم نہ کرو۔

اس بناء پر کہ انہیں بتایا جائے کہ انہیں نہ صرف یوسفؑ کا حق بخش دیا گیا ہے بلکہ ان کی ندامت وپشیمانی کی وجہ سے اس سلسلے میں خدائی حق بھی قابل بخشش ہے، مزید کہا: ''اللہ بھی تمہیں بخش دے گا کیونکہ وہ ارحم الراحمین ہے''۔ [7]

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کی انتہائی عظمت کی دلیل ہے کہ نہ صرف اپنا حق معاف کر دیا بلکہ اس بات پر بھی تیار نہ ہوئے کہ

---

[1] سورہ یوسف آیت 90

[2] سورہ یوسف آیت 90

[3] سورہ یوسف آیت 90

[4] سورہ یوسف آیت 91

[5] سورہ یوسف آیت 91

[6] سورہ یوسف آیت 92

[7] سورہ یوسف آیت 92

انہیں تھوڑی سی بھی سرزنش کی جائے، چہ جائیکہ بھائیوں کو کوئی سزا دیتے بلکہ حق الٰہی کے لحاظ سے بھی انہیں اطمینان دلایا کہ خدا غفور اور بخشنے والا ہے بلکہ یہ بات ثابت کرنے کے لئے یہ استدلال پیش کیا کہ وہ ارحم الراحمین ہے۔

اس موقع پر بھائیوں کو ایک اور غم بھی ستا رہا تھا اور وہ یہ کہ باپ اپنے بیٹوں کے فراق میں نابینا ہو چکا ہے اور اس کا اس طرح رہنا پورے خاندان کے لئے ایک جانکاہ رنج ہے اس کے علاوہ ان کے جرم پر ایک مسلسل دلیل ہے لہٰذا یوسفؑ نے اس عظیم مشکل کے حل کے لئے بھی فرمایا: ''میرا یہ پیراہن لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو تا کہ وہ بینا ہو جائے''۔[1] ''اس کے بعد سارے خاندان کے ہمراہ میرے پاس آجاؤ''۔[2]

یوسفؑ کی قمیص کون لے کر گیا؟

حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا: میرا شفا بخش کرتہ باپ کے پاس وہی لے جائے جو خون آلود کرتہ لے کر گیا تھا تا کہ جیسے اس نے باپ کو تکلیف پہنچائی اور پریشان کیا تھا اس مرتبہ اسے خوش وخرم کرے۔

لہٰذا یہ کام ''یہودا'' کے سپرد ہوا کیونکہ اس نے بتایا تھا کہ وہ میں ہوں جو خون آلود کرتہ لے کر باپ کے پاس گیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ آپ کے بیٹے کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت یوسف علیہ السلام اس قدر مشکلات اور مصائب میں گرفتار رہے لیکن اخلاقی مسائل کی باریکیوں سے غافل نہیں رہتے تھے۔

یوسفؑ کی عظمت

اس ماجرے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہمیشہ شرمسار رہتے تھے انھوں نے کسی کو یوسفؑ کے پاس بھیجا اور کہلایا کہ آپ ہر صبح وشام ہمیں اپنے دسترخوان پر بٹھاتے ہیں اور آپ کا چہرہ دیکھ کر ہمیں شرم وخجالت محسوس ہوتی ہے کیونکہ ہم نے آپ کے ساتھ اس قدر جسارتیں کی ہیں۔

اس بناء پر کہ انہیں نہ صرف ذرہ بھر احساس شرمندگی نہ ہو بلکہ یوسفؑ کے دسترخوان پر اپنی موجودگی کو یوسفؑ کی ایک خدمت محسوس کریں، حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں بہت ہی عمدہ جواب دیا، آپ نے کہا: مصر کے لوگ اب تک مجھے ایک زرخرید غلام کی نظر سے دیکھتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے تھے: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اس غلام کو کہ جو بیس درہم میں بیچا گیا اس مقام تک پہنچایا۔''

لیکن اب جب کہ تم لوگ آگئے ہو اور میری زندگی کی کتاب ان کے سامنے کھل گئی ہے تو وہ سمجھنے لگے ہیں کہ میں غلام نہیں ہوں بلکہ میں خاندان نبوت سے تعلق رکھتا ہوں اور ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد میں سے ہوں اور یہ میرے لئے باعث افتخار ہے۔

آخرکار لطف الٰہی نے اپنا کام کر ڈالا

فرزندان یعقوب علیہ السلام خوشی سے پھولے نہ سماتے تھے، وہ خوشی خوشی یوسفؑ کا پیراہن اپنے ساتھ لے کر قافلے کے ساتھ مصر سے چل پڑے، ادھر ان بھائیوں کے لئے زندگی کے شیریں ترین لمحات تھے اُدھر شام کے علاقہ کنعان میں بوڑھے باپ کا گھر غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا، سارا گھرانہ افسردہ اور غم زدہ تھا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 93

[2] سورہ یوسف آیت 93

لیکن ادھر یہ قافلہ مصر سے چلا اور اُدھر اچانک یعقوب علیہ السلام کے گھر میں ایک واقعہ رونما ہوا جس نے سب کو تعجب میں ڈال دیا، یعقوب علیہ السلام کا جسم کانپ رہا تھا، انھوں نے بڑے اطمینان اور اعتماد سے پکار کر کہا: ''اگر تم بدگوئی نہ کرو اور میری طرف نادانی اور جھوٹ کی نسبت نہ دو تو میں تم سے کہتا ہوں کہ مجھے اپنے پیارے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے''۔ [۱]

میں محسوس کررہا ہوں کہ رنج وغم اور زحمت ومشکل کی گھڑیاں ختم ہونے کو ہیں اور وصال وکامیابی کا زمانہ آنے کو ہے، خاندان یعقوب علیہ السلام اب لباس ماتم اتار دے گا اور لباس مسرت زیب تن کرے گا، لیکن میرا یہ خیال نہیں کہ تم ان باتوں پر یقین کرو گے۔

لفظ ''فصلت'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام میں یہ احساس اسی وقت پیدا ہوا جب قافلہ مصر سے چلنے لگا۔

قاعدتاً حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس اس وقت ان کے پوتے پوتیاں اور بہوئیں وغیرہ تھیں انہوں نے بڑے تعجب اور گستاخی سے اور پورے یقین سے یعقوبؑ سے کہا: ''بخدا آپ اسی پرانی گمراہی میں ہیں''۔ [۲]

یعنی اس سے بڑھ کر گمراہی کیا ہوگی کہ یوسفؑ کی موت کو سالہا سال گزر گئے ہیں اور ابھی آپ کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہے اور اب آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ مصر کی طرف سے مجھے یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے، مصر کہاں اور شام وکنعان کہاں، کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ آپ ہمیشہ خواب وخیال کی دنیا میں رہتے ہیں اور اپنے خیالات وتصورات کو حقیقت سمجھتے ہیں، آپ یہ کیسی عجیب وغریب بات کہہ رہے ہیں بہرحال آپ تو پہلے بھی اپنے بیٹوں سے کہہ چکے ہیں کہ مصر کی طرف جاؤ اور میرے یوسفؑ کو تلاش کرو۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں ضلالت وگمراہی سے مراد عقیدہ اور نظریہ کی گمراہی نہیں ہے بلکہ یوسفؑ سے متعلق مسائل کے سمجھنے میں گمراہی مراد ہے۔

بہرکیف ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اس عظیم کہن سال اور روشن ضمیر پیغمبر سے کیسا شدید اور جسارت آمیز سلوک کرتے تھے۔

ایک جگہ انہوں نے کہا: ہمارا باپ ''ضلال مبین'' (کھلی گمراہی) میں ہے اور یہاں انہوں نے کہا: تم اپنی اسی دیرینہ گمراہی میں ہو۔

وہ پیر کنعان کے دل کی پاکیزگی اور روشنی سے بے خبر تھے ان کا خیال تھا کہ اس کا دل بھی انہی کے دل کی طرح تاریک ہے انہیں یہ خیال نہ تھا کہ آئندہ کے واقعات اور دور ونزدیک کے مقامات اس کے آئینہ دل میں منعکس ہوتے ہیں۔

قافلہ کنعان پہنچتا ہے

کئی رات دن بیت گئے یعقوب اسی طرح انتظار میں تھے ایسا پرسوز انتظار کہ جس کی گہرائی میں مسرت وشادمانی اور سکون واطمینان موجزن تھا حالانکہ ان کے پاس رہنے والوں کو ان مسائل سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ یوسفؑ کا معاملہ ہمیشہ کے لئے ختم ہوچکا ہے معلوم نہیں یعقوب پر یہ چند دن کس طرح گزریں گے۔ آخر ایک دن آیا جب آوز آئی وہ دیکھو مصر سے کنعان کا قافلہ آیا ہے گزشتہ سفروں کے برخلاف فرزندان یعقوب شاداں وخرّم شہر میں داخل ہوئے اور بڑی تیزی سے باپ کے

---

[۱] سورہ یوسف آیت 94

[۲] سورہ یوسف آیت 95

گھر پہنچ گئے سب سے پہلے ''بشیر'' بوڑھے یعقوب کے پاس آیا وہی ''بشیر'' (جو وصال کی بشارت لایا تھا اور جس کے پاس یوسفؑ کا پیراہن تھا) اس نے آتے ہی پیراہن یعقوب کے چہرے پر ڈال دیا۔

یعقوب کی آنکھیں تو بے نور تھیں وہ پیراہن کو دیکھ نہ سکتے تھا انہوں نے محسوس کیا کہ ایک آشنا خوشبو ان کی مشام جان میں اتر گئی ہے یہ ایک پُر کیف زریں لمحہ تھا گویا ان کے وجود کا ہر ذرہ روشن ہو گیا ہو آسمان وزمین مسکرا اٹھے ہوں ہر طرف قہقہے بکھر گئے ہوں نسیم رحمت چل اٹھی ہوا اور غم واندوہ کا گرد وغبار لپیٹ کر لے جارہی ہو، در و دیوار سے خوشی کے نعرے سنائی دے رہے تھے اور یعقوب کی آنکھیں روشن ہو گئی ہیں اور وہ ہر جگہ دیکھ رہے ہیں دنیا اپنی تمام تر زیبائیوں کے ساتھ ایک مرتبہ پھر ان آنکھوں کے سامنے تھی جیسا کہ قرآن کہتا ہے: ''جب بشارت دینے والا آیا تو اس نے وہ (پیراہن) ان کے چہرے پر ڈال دیا تو اچانک وہ بینا ہو گئے''۔[1]

بھائیوں اور گرد وپیش والوں کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو امنڈ آئے اور یعقوب نے پورے اعتماد سے کہا: ''میں نہ کہتا تھا کہ میں خدا کی طرف سے ایسی چیزیں جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے''[2] اس معجزے پر بھائی گہری فکر میں ڈوب گئے ایک لمحے کے لئے اپنا تاریک ماضی ان کی آنکھوں کے سامنے گھوم گیا، خطا، گناہ، اشتباہ اور تنگ نظری سے پُر ماضی۔

لیکن کتنی اچھی بات ہے کہ جب انسان اپنی غلطی کو سمجھ لے تو فوراً اس کی اصلاح اور تلافی کی فکر کرے فرزندان یعقوب بھی اسی فکر میں گم ہو گئے انہوں نے باپ کا دامن پکڑ لیا اور کہا: ''بابا جان خدا سے درخواست کیجئے کہ وہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کو بخش دے کیونکہ ہم گنہگار اور خطا کار تھے۔''[3]

بزرگوار اور باعظمت بوڑھا جس کا ظرف سمندر کی طرح وسیع تھا، اس نے کوئی ملامت وسرزنش کئے بغیر ان سے وعدہ کیا کہ ''میں بہت جلدی تمہارے لئے اپنے پروردگار سے مغفرت طلب کروں گا اور مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری توبہ قبول کر لے گا اور تمہارے گناہوں سے صرف نظر کرے گا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔''[4]

رات اور دن گویا بڑی آہستگی سے گزر رہے تھے کیونکہ اشتیاق وصال میں ہر گھڑی ایک دن بلکہ ایک سال معلوم ہو رہی تھی مگر جو کچھ بھی تھا آخر گزر گیا مصر کی آبادی دور سے نمایاں ہوئیں مصر کے سرسبز کھیت، آسمان سے باتیں کرنے والے درخت اور خوبصورت عمارتیں دکھائی دینے لگیں، لیکن قرآن اپنی دائمی سیرت کے مطابق ان سب مقدمات کو کہ جو تھوڑے سے غور وفکر سے واضح ہو جاتے ہیں حذف کرتے ہوئے کہتا ہے: ''جب وہ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسفؑ اپنے ماں باپ سے گلے ملے۔''[5]

آخر کار یعقوب کی زندگی کا شیریں ترین لمحہ آ گیا دیدار وصال کا یہ لمحہ فراق کے کئی سالوں بعد آیا تھا خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، کہ وصال کے یہ لمحات یعقوب اور یوسفؑ پر کیسے گذرے ان شیریں لمحات میں ان دونوں کے احساسات وجذبات کیا تھے، عالم شوق میں انھوں نے کتنے آنسو بہائے اور عالم شوق میں کیا نالہ وفریاد ہوا۔

یہاں پر چند سوال پیدا ہوتے ہیں:

---

[1] سورہ یوسف آیت 96

[2] سورہ یوسف آیت 96

[3] سورہ یوسف آیت 97

[4] سورہ یوسف آیت 98

[5] سورہ یوسف آیت 99

1۔یعقوب نے پیراہن یوسفؑ کی خوشبو کیسے محسوس کی؟

یہ سوال بہت سے مفسرین نے اٹھایا ہے اور اس پر بحث کی ہے عام طور پر مفسرین نے اسے یعقوب یا یوسفؑ کا معجزہ قرار دیا ہے لیکن چونکہ قرآن نے اسے اعجاز یا غیر اعجاز ہونے کے لحاظ سے پیش نہیں کیا اور اس سلسلے میں خاموشی اختیار کی ہے اس کی سائنسی توجیہ معلوم کی جاسکتی ہے۔

موجودہ زمانے میں ''ٹیلی پیتھی'' ایک مسلمہ علمی مسئلہ ہے (اس میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے کہ ایک دوسرے سے دور رہنے والے کے درمیان فکری ارتباط اور روحانی رابطہ ہوسکتا ہے اسے ''انتقال فکر'' کہتے ہیں) ایسے افراد جو ایک دوسرے سے نزدیکی تعلق رکھتے ہیں یا جو بہت زیادہ روحانی طاقت رکھتے ہیں یہ تعلق ان کے درمیان پیدا ہوتا ہے شاید ہم میں سے بہت سے افراد نے اپنی روز مرہ کی زندگی میں اس کا سامنا کیا ہو کہ بعض اوقات کسی کی والدہ یا بھائی اپنے اندر بلاسبب بہت زیادہ اضطراب اور پریشانی محسوس کرتے ہیں اور زیادہ دیر نہیں گذرتی کے کہ خبر پہنچتی ہے کہ اس کے بیٹے یا بھائی کو فلاں دور دراز علاقے میں ایک ناگوار حادثہ پیش آیا ہے۔

ماہرین اس قسم کے احساس کو ٹیلی پیتھی اور دور دراز کے علاقوں سے انتقال فکری کا عمل قرار دیتے ہیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے واقعہ میں بھی ممکن ہے کہ یوسفؑ سے شدید محبت اور آپ کی روحانی عظمت کے سبب آپ میں وہی احساس پیدا ہوگیا جو یوسفؑ کا کرتا اٹھاتے وقت بھائیوں میں پیدا ہوا تھا۔

البتہ یہ بات بھی ہر طرح ممکن ہے کہ اس واقعہ کا تعلق انبیاء کے دائرہ علم کی وسعت سے ہو، بعض روایات میں بھی انتقال فکر کے مسئلہ کی طرف جاذب نظر اور عمدہ اشارہ کیا گیا ہے مثلاً: کسی نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا: کبھی ایسا ہوتا ہے کہ میں بغیر کسی مصیبت یا ناگوار حادثہ کے غمگین ہوجاتا ہوں یہاں تک کہ میرے گھر والے اور میرے دوست بھی اس کے اثرات میرے چہرے پر دیکھ لیتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہاں، خدا نے مومنین کو ایک ہی بہشتی طینت سے پیدا کیا ہے اور اس کی روح ان میں پھونکی ہے لہٰذا مومنین ایک دوسرے کے بھائی ہیں جس وقت کسی ایک شہر میں ان میں سے کسی ایک بھائی کو کوئی مصیبت پیش آتی ہے تو باقی افراد پر اس کا اثر ہوتا ہے۔

بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کرتہ کوئی عام کرتہ نہ تھا بلکہ ایک جنّتی پیراہن تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے خاندان یعقوب علیہ السلام میں یادگار کے طور پر چلا آرہا تھا اور جو شخص حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح بہشتی قوت شامہ رکھتا تھا وہ اس کی خوشبو دور سے محسوس کرلیتا تھا۔

2۔انبیاء کے حالات میں فرق۔

یہاں پر ایک اور مشہور اعتراض سامنے آتا ہے فارسی زبان کے اشعار میں بھی یہ اعتراض بیان کیا گیا ہے، کسی نے یعقوب علیہ السلام سے کہا:

زمصری بوی پیراهن
شنیدی

چرا در جاه کنعانش نه دیدی

یعنی آپ نے مصر سے پیراہن کی خوشبو سونگھ لی لیکن آپ کو کنعان کے کنویں میں یوسفؑ کیوں نہ دکھائی دیئے؟
کیسے ہوسکتا ہے کہ اس عظیم پیغمبر نے اتنے دور دراز کے علاقے سے یوسفؑ کی قمیص کی خوشبو سونگھ لی جب کہ بعض نے یہ فاصلہ اسّی فرسخ لکھا ہے اور بعض نے دس دن کی مسافت بیان کی ہے لیکن اپنے علاقہ کنعان کے اندر جب کہ یوسفؑ کو اس کے بھائی کنویں میں پھینک رہے تھے اور ان پر وہ واقعات گزر رہے تھے اس سے یعقوب علیہ السلام آگاہ نہ ہوئے؟
قبل اس کے انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کے علم غیب کی حدود کے بارے میں جو کچھ کہا جا چکا ہے اس کی طرف توجہ کرتے ہوئے اس سوال کا جواب ہرگز مشکل نہیں رہتا، امور غیب کے متعلق ان کا علم پروردگار کے ارادے اور عطا کئے ہوئے علم پر منحصر ہے جہاں خدا چاہتا ہے وہ جانتے ہیں، چاہے واقعہ کا تعلق کسی بہت دور دراز علاقے سے ہو اور جہاں وہ نہ چاہے نہیں جانتے چاہے معاملہ کسی نزدیک ترین علاقے سے مربط ہو جیسے کسی تاریک رات میں ایک قافلہ کسی بیابان سے گزر رہا ہو آسمان کو بادلوں نے ڈھانپ رکھا ہو ایک لحہ کے لئے آسمان سے بجلی چمک اٹھے اور بیابان کی تمام گیرائیاں اور گہرائیاں روشن ہو جائیں اور تمام مسافر ہر طرف سب کچھ دیکھ لیں لیکن دوسرے لحہ وہ بجلی خاموش ہو جائے اور پھر تاریکی ہر طرف چھا جائے اسی طرح سے کہ کوئی چیز نظر نہ آئے۔
شاید امام جعفر صادق علیہ السلام سے علم امام کے بارے میں مروی یہ حدیث اسی مفہوم کی طرف اشارہ کرتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

"جعل الله بينه وبين الامام عموداً من نور ينظر الله به الى الامام وينظر الامام به اليه. فاذا راد علم شىء نظر فى ذالك النور فعرفه"

خدا نے اپنے اور امام و پیشوائے خلق کے درمیان نور کا ایک ستون بنایا ہے اسی سے خدا امام کی طرف دیکھتا ہے اور امام بھی اسی طریق سے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتا ہے اور جب امام کوئی چیز جاننا چاہتا ہے تو نور کے اس ستون میں دیکھتا ہے اور اس سے آگاہ ہو جاتا ہے۔
ایک شعر جو پہلے ذکر کیا گیا ہے اس کے بعد سعدی کے مشہور اشعار میں اسی روایات کے پیش نظر کہا گیا ہے:

بگفت احوال ما برق جهان است
گهی پیدا ودگر دم نهان است
گهی بر کارم اعلا نشینم
گهی تاپشت پای خود نبینم

یعنی اس نے کہا ہمارے حالات چمکنے والی بجلی کی طرح ہیں جو کبھی دکھائی دیتی ہے اور کبھی چھپ جاتی ہے۔
کبھی ہم آسمان کی بلندیوں پر بیٹھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کے پیچھے بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا۔
اس حقیقت کی طرف توجہ کرتے ہوئے تعجب کا مقام نہیں کہ ایک دن مشیت الٰہی کی بناء پر یعقوب علیہ السلام کی آزمائش کے لئے اپنے قریب رونما ہونے والے واقعات سے آگاہ نہ ہوں اور کسی دوسرے دن جب کہ دور آزمائش ختم ہو چکا تھا اور مشکلات کے دن

بیت چکے تھے انھوں نے مصر سے قمیص یوسفؑ کی مہک سونگی لی ہو۔

3۔ بینائی کیسے لوٹ آئی؟

بعض مفسرین نے یہ احتمال دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی آنکھ کا نور بالکل ختم نہیں ہوا تھا بلکہ ان کی آنکھیں کمزور ہوگئی تھیں اور بیٹے کی ملاقات کے امکانات پیدا ہوئے تو ان میں ایک ایسا ہیجان پیدا ہوا کہ وہ پہلی حالت پر واپس آگئیں، لیکن آیات کا ظہور نشاندہی کرتا ہے کہ وہ بالکل نابینا ہوگئے تھے یہاں تک کہ ان کی آنکھیں سفید ہوچکی تھیں لہٰذا ان کی بینائی معجزانہ طور پر واپس ہوئی۔ قرآن کہتا ہے: (**فارتد بصیرا**)۔

جناب یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر

''پھر یوسفؑ نے سب سے کہا سرزمین مصر میں قدم رکھیں کہ انشاءاللہ یہاں آپ بالکل امن و امان میں ہوں گے''[1] کیو نکہ مصر یوسفؑ کی حکومت میں امن و امان کا گہوارہ بن چکا تھا۔

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسفؑ اپنے ماں باپ کے استقبال کے لئے شہر کے دروازے کے باہر تک آئے تھے اور شاید جملہ (**ادخلوا علی یوسف**علیہ السلام) کہ جو دروازے سے باہر سے مربوط ہے، اس طرف اشارہ ہے کہ یوسفؑ نے حکم دیا تھا کہ وہا ں خیمے نصب کئے جائیں اور ماں باپ اور بھائیوں کی پہلے پہل وہاں پذیرائی کی جائے، جب بارگاہ یوسفؑ میں پہنچے ''تو اس نے اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا'' نعمت الٰہی کی اس عظمت اور پروردگار کے لطف کی اس گہرائی اور وسعت نے بھائیوں اور ماں باپ کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سب کے سب ''اس کے سامنے سجدے میں گر گئے۔''[2]

اس موقع پر یوسفؑ نے باپ کی طرف رخ کیا ''اور عرض کیا: ابان جان: یہ اسی خواب کی تعبیر ہے جو میں نے بچپن میں دیکھا تھا''[3] کیا ایسا ہی نہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں دیکھئے: جیسا کہ آپ نے پیشین گوئی کی تھی ''خدا نے اس خواب کو واقعیت میں بدل دیا ہے''، ''اور پروردگار نے مجھ پر لطف و احسان کیا ہے کہ اس نے مجھے زندان سے نکالا ہے''۔[4]

یہ بات قابل توجہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی زندگی کی مشکلات میں صرف زندان مصر کے بارے میں گفتگو کی ہے لیکن بھائیوں کی وجہ سے کنعان کے کنوئیں کی بات نہیں کی، اس کے بعد مزید کہا: ''خدا نے مجھ پر کس قدر لطف کیا کہ آپ کو کنعان کے اس بیابان سے یہاں لے آیا جب کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد انگیزی کر چکا تھا۔''[5]

یہاں یوسفؑ ایک مرتبہ پھر اپنی وسعت قلبی اور عظمت کا ایک نمونہ پیش کرتے ہیں یہ نہیں کہتے کہ کوتاہی کس شخص نے کی، بلکہ اس طرح سربستہ اور اجمالی طور پر کہتے ہیں کہ شیطان نے اس کام میں دخل اندازی کی اور وہ فساد کا باعث بنا کیونکہ وہ نہیں چا

---

[1] سورہ یوسف آیت 99

[2] سورہ یوسف آیت 100

[3] سورہ یوسف آیت 100

[4] سورہ یوسف آیت 100

[5] سورہ یوسف آیت 100

ہتے تھے کہ بھائیوں کی گزشتہ خطاؤں کا گلہ کریں، وہ جانتا ہے کہ کون حاجت مند ہیں اور کون اہل ہیں ’’کیونکہ وہ علیم وحکیم ہے‘‘۔[1]
اس کے بعد یوسف، حقیقی مالک الملک اور دائمی ولی نعمت کی طرف رخ کرتے ہیں اور شکر اور تقاضے کے طور پر کہتے ہیں:
’’پروردگار تونے ایک وسیع حکومت کا ایک حصہ مجھے مرحمت فرمایا ہے‘‘۔’’اور تو نے مجھے تعبیر خواب کے علم کی تعلیم دی ہے‘‘۔[2] اور اسی علم نے جو ظاہراً سادہ اور عام ہے میری زندگی اور تیرے بندوں کی ایک بڑی جماعت کی زندگی میں کس قسم کا انقلاب پیدا کر دیا ہے اور یہ علم کس قدر پر برکت ہے۔

’’تو وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو ایجاد کیا ہے‘‘۔[3]

اور اسی بناء پر تمام چیزیں تیری قدرت کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں ’’پروردگار دنیا و آخرت میں تو میرا ولی ناصر مدبر اور محافظ ہے‘‘۔[4]

’’مجھے اس جہان سے مسلمان اور اپنے فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے لے جا، اور مجھے صالحین سے کر دے‘‘۔[5]

میں تجھ سے ملک کے دوام اور اپنی مادی حکومت اور زندگی کی بقاء کا تقاضا نہیں کرتا کیونکہ یہ تو سب فانی ہیں اور صرف دیکھنے میں دل انگیز ہیں بلکہ میں تجھ سے یہ چاہتا ہوں کہ میری عاقبت اور انجام کار بخیر ہو اور میں تیری راہ میں ایمان و تسلیم کے ساتھ رہوں اور تیرے لئے جان دوں اور صالحین اور تیرے باخلوص دوستوں کی صف میں قرار پاؤں میرے لئے یہ چیزیں اہم ہیں۔

باپ کو سرگزشت نہ سنانا

جس وقت یعقوب علیہ السلام یوسفؑ سے ملاقات کے لئے پہنچے تو ان سے کہا: میرے بیٹے میرا دل چاہتا ہے کہ میں پوری تفصیل جانوں کہ بھائیوں نے تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے باپ سے تقاضا کیا کہ وہ اس معاملہ کو جانے دیں لیکن یعقوب علیہ السلام نے انہیں قسم دے کر کہا کہ بیان کریں۔

یوسفؑ نے واقعات کا کچھ حصہ بیان کیا یہاں تک کہ بتایا: بھائیوں نے مجھے پکڑ لیا اور کنویں کے کنارے بٹھایا مجھے حکم دیا کہ کرتا اتار دوں تو میں نے ان سے کہا: میں تمہیں اپنے باپ یعقوب کے احترام کی قسم دیتا ہوں کہ میرے بدن سے کرتا نہ اتارو اور مجھے برہنہ نہ کرو، ان میں سے ایک کے پاس چھری تھی اس نے وہ چھری نکالی اور چلا کر کہا: کرتا اتار دے۔

یہ جملہ سنتے ہی یعقوب کی طاقت جواب دے گئی انھوں نے چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئے جب وہ ہوش میں آئے تو بیٹے سے چاہا کہ اپنی بات جاری رکھے لیکن یوسفؑ نے کہا: آپ کو ابراہیم، اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام کے خدا کی قسم مجھے اس کام سے معاف رکھیں۔

جب یعقوب علیہ السلام نے یہ جملہ سنا تو اس معاملہ سے صرف نظر کر لیا۔

---

[1] سورہ یوسف آیت 100
[2] سورہ یوسف آیت 101
[3] سورہ یوسف آیت 101
[4] سورہ یوسف آیت 101
[5] سورہ یوسف آیت 101

یہ امر نشاندہی کرتا ہے کہ یوسفؑ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ ماضی کے تلخ واقعات اپنے دل میں لائیں یا باپ کے سامنے انہیں دہرائیں اگرچہ یعقوب علیہ السلام کی جستجو کی حس انہیں مجبور کرتی تھی۔

یوسفؑ، یعقوب اور بھائیوں کی سرگزشت کا اختتام

عظیم ترین بشارت لئے ہوئے مصر سے قافلہ کنعان پہنچا بوڑھے یعقوب بینا ہو گئے عجیب جوش وخروش تھا سالہا سال سے جو گھرانا غم واندوہ میں ڈوبا ہوا تھا وہ خوشی اور سرور میں ڈوب گیا ان سب نعمات الٰہی پر وہ پھولے نہیں سماتے تھے۔

یوسفؑ کی فرمائش کے مطابق اس خاندان کو اب مصر کی طرف روانہ ہونا تھا سفر کی تیاری ہر لحاظ سے مکمل ہوگئی یعقوب ایک مرکب پر سوار ہوئے۔ جب کہ ان کے مبارک لبوں پر ذکر وشکر خدا جاری تھا اور عشق وصال نے انہیں اس طرح سے قوت وتوانائی بخشی تھی کہ گویا وہ نئے سرے سے جوان ہو گئے تھے۔

بھائیوں کے گزشتہ سفر تو خوف وپریشانی سے گزرے لیکن ان کے برخلاف یہ سفر ہر قسم کے فکر واندیشہ سے خالی تھا یہاں تک کہ اگر سفر کی کوئی تکلیف تھی بھی تو اس انتظار میں پنہاں مقصد کے سامنے اس کی کوئی حقیقت نہ تھی۔

وصال کعبه چناں می دواندم بشتاب

که خا رهای مغیلاں حریری آید

کعبہ مقصود کے وصال نے مجھے اتنا تیز دوڑایا کہ خار مغیلاں ریشم معلوم ہوتے تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام کی سرزمین "مدین"

یہاں گفتگو قوم شعیب اور اہل مدین کی ہے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے توحید کا راستہ چھوڑ دیا تھا اور شرک وبت پرستی کی سنگلاخ زمین میں سرگرداں ہو گئے تھے یہ لوگ نہ صرف بتوں کو پوجتے تھے بلکہ درہم ودینار اور اپنے مال وثروت کی بھی پرستش کرتے تھے اور اسی لئے وہ اپنے کاروبار اور بارونق تجارت کو نادرستی، کم فروشی اور غلط طریقوں سے آلودہ کرتے تھے۔

ابتداء میں فرمایا گیا ہے: "مدین کی طرف ہم نے ان کے بھائی شعیب کو بھیجا"۔[1]

مدین (بروزن "مریم") حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے قبیلے کی آبادی کا نام ہے یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں واقع ہے اس کے لوگ اولاد اسماعیل میں سے تھے مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کیا کرتے تھے۔

آج کل شہر مدین کا نام "معان" ہے بعض جغرافیہ دانوں نے خلیج عقبہ کے درمیان سے کوہ سینا تک زندگی بسر کرنے والوں پر مدین کے نام کا اطلاق کیا ہے، توریت میں بھی لفظ "مدیان" آیا ہے لیکن بعض قبائل کے لئے (البتہ ایک ہی لفظ شہر اور اہل شہر پر عام طور پر استعمال ہوجاتا ہے)

---

[1] سورہ ہود آیت 84

جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں لفظ "اخاھم" (ان کا بھائی) اس بناء پر ہے کہ اپنی قوم سے پیغمبروں کی انتہائی محبت کو بیان کیا جائے نہ صرف اس بناء پر کہ وہ افرادان کے گروہ اور قبیلے سے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ ان کے خیرخواہ اور ہمدرد بھائی کی طرح تھے۔

قوم شعیب کی اقتصادی برائیاں

اس پیغمبر اور ہمدرد و مہربان بھائی نے جیسا کہ تمام انبیاء کا آغاز دعوت میں طریقہ ہے، پہلے انہیں مذہب کے اساسی ترین رکن ''توحید'' کی طرف دعوت دی اور کہا: اے قوم: ''یکتا و یگانہ خدا کی پرستش کرو، کہ جس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں ہے''۔ [1]

اس وقت اہل مدین میں ایک اقتصادی خرابی شدید طور پر رائج تھی جس کا سرچشمہ شرک اور بت پرستی کی روح ہے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے: ''خرید و فروخت کرتے وقت چیزوں کا پیمانہ اور وزن کم نہ کرو''۔ [2]

کم فروشی کے ذریعے فساد اور برائی، لوگوں کے حقوق غصب کرنے کا فساد اور حقوق پر تجاوز کا فسانہ، معاشرتی میزان اور اعتدال کو درہم برہم کرنے کا فساد، اموال اور اشخاص پر عیب لگانے کا فساد۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں کی حیثیت، آبرو، ناموس اور جان کے حریم پر تجاوز کرنے کا فساد۔

«لا تعثوا» ''فساد نہ کرو'' کے معنی میں ہے اس بناء پر اس کے بعد ''مفسدین'' کا ذکر زیادہ سے زیادہ تاکید کی خاطر ہے۔

قرآن مجید میں موجود آیات سے یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہوتی ہے کہ توحید کا اعتقاد اور آئیڈیالوجی کا معاملہ ایک صحیح و سالم اقتصاد کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے نیز آیات اس امر کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اقتصادی نظام کا درہم برہم ہونا معاشرے کی وسیع تباہی اور فساد کا سرچشمہ ہے۔

آخر میں انھیں یہ گوش گزار کیا گیا ہے کہ ظلم و ستم کے ذریعے اور استعماری ہتھکنڈوں سے بڑھنے والی دولت تمہاری بے نیازی اور استغناء کا سبب نہیں بن سکتی بلکہ حلال طریقے سے حاصل کیا ہوا جو سرمایہ تمہارے پاس باقی رہ جائے چاہے وہ تھوڑا ہی ہو اگر خدا اور اس کے رسول پر ایمان کے ساتھ ہو تو بہتر ہے۔ [3]

ہٹ دھرموں کی بے بنیاد منطق

اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس ہٹ دھرم قوم نے اس آسمانی مصلح کی دعوت کے جواب میں کیا ردعمل ظاہر کیا۔

وہ جو بتوں کو اپنے بزرگوں کے آثار اور اپنے اصلی تمدن کی نشانی خیال کرتے تھے اور کم فروشی اور دھوکا بازی سے معاملات میں بڑے بڑے فائدے اور مفادات اٹھاتے تھے حضرت شعیب علیہ السلام کے جواب میں کہنے لگے: اے شعیب: کیا تیری نماز تجھے حکم دیتی ہے کہ ہم انہیں چھوڑ دیں کہ جن کی ہمارے آباؤ اجداد پرستش کرتے تھے اور یا اپنے اموال کے بارے میں اپنی آزادی سے ہاتھ دھو بیٹھیں تو تو ایک بردبار حوصلہ مند اور سمجھدار آدمی ہے تجھ سے یہ باتیں بعید ہیں۔ [4]

---

[1] سورہ ہود آیت 84

[2] سورہ ہود آیت 84

[3] سورہ ہود آیت 86

[4] سورہ ہود آیت 87

یہاں یہ سوال سامنے آتا ہے کہ انہوں نے حضرت شعیب کی نماز کا ذکر کیوں کیا؟ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہ اس بناء پر تھا کہ حضرت شعیب زیادہ نماز پڑھتے تھے اور لوگوں سے کہتے تھے کہ نماز انسان کو برے اور قبیح اعمال سے روکتی ہے لیکن وہ لوگ جو نماز اور ترک منکرات کے رابطے کو نہ سمجھ سکے انہوں نے اس بات کا تمسخر اڑایا اور کہا کہ کیا یہ ذکر واذکار اور حرکات تجھے حکم دیتی ہیں کہ ہم اپنے بزرگوں کے طور طریقے اور مذہبی ثقافت کو پاؤں تلے روند دیں یا اپنے اموال کے بارے میں اپنا اختیار گنوا بیٹھیں۔

اس ظالم اور ستم گر قوم نے جب

خود کو شعیب علیہ السلام کی منطقی باتوں کے مقابلے میں بے دلیل دیکھا تو اپنی برائیوں کو جاری و ساری رکھنے کے لئے ان پر تہمتوں کی بوچھاڑ کر دی۔

سب سے پہلے وہی پرانا لیبل جو مجرم اور ظالم لوگ ہمیشہ سے خدا کے انبیاء پر لگاتے رہے ہیں آپ پر بھی لگایا اور کہا: "تو تو بس پاگل ہے"۔[1]

تیری گفتگو میں کوئی منطقی اور مدلل بات دکھائی نہیں دیتی تیرا خیال ہے کہ ایسی باتیں کر کے تو ہمیں اپنے مال میں آزادی عمل سے روک دے، اس کے علاوہ "تو بھی تو صرف ہماری طرح کا ایک انسان ہے"۔[2] کیا تو سمجھتا ہے کہ ہم تیری اطاعت کریں گے آخر تجھے ہم پر کون سی فضیلت اور برتری حاصل ہے۔

"تیرے بارے میں ہمارا یہی خیال ہے کہ تو ایک جھوٹا شخص ہے"۔[3]

ان کی یہ گفتگو کیسی تضادات پر مبنی ہے کبھی تو انہیں ایسا جھوٹا اور مفاد پرست انسان کہتے تھے جو دعوائے نبوت کی وجہ سے ان پر فوقیت حاصل کرنا چاہتا ہے اور کبھی انہیں مجنون کہتے تھے ان کی آخری بات یہ تھی کہ بہت اچھا "اگر تو سچا ہے تو ہمارے سر پر آسمان سے پتھر برسا اور ہمیں اس مصیبت میں مبتلا کر دے جس کی ہمیں دھمکی دے رہا ہے تا کہ تجھے معلوم ہو جائے کہ ہم ایسی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے"۔[4] یہ الفاظ کہہ کر انھوں نے اپنی ڈھٹائی اور بے حیائی کی انتہا کر دی اور اپنے کفر و تکذیب کا بدترین مظاہرہ کیا۔

جناب شعیب علیہ السلام کا جواب

لیکن جنہوں نے ان کی باتوں کو حماقت پر حمل کیا تھا اور ان کی بے عقلی کی دلیل قرار دیا تھا حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے کہا: "اے میری قوم: (اے وہ لوگو: کہ تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں اور جو کچھ میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے بھی پسند کرتا ہوں) اگر خدا نے مجھے واضح دلیل وحی اور نبوت دی ہو اور اس کے علاوہ مجھے پاکیزہ روزی اور حسب ضرورت مال دیا ہو تو کیا اس صورت میں صحیح ہے کہ میں اس کے فرمان کی مخالفت کروں یا تمہارے بارے میں کوئی غرض رکھوں اور تمہارا خیر خواہ نہ بنوں"۔[5]

اس جملے سے حضرت شعیب علیہ السلام یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس کام میں میرا صرف روحانی، انسانی اور تربیتی مقصد ہے میں ایسے حقائق کو جانتا ہوں جنہیں تم نہیں جانتے اور انسان ہمیشہ اس چیز کا دشمن ہوتا ہے جسے نہیں جانتا ہے۔

اس کے بعد یہ عظیم پیغمبر مزید کہتے ہیں: "یہ گمان نہ کرنا کہ میں تمہیں کسی چیز سے منع کروں اور پھر خود اسی کی جستجو میں لگ جاؤں"۔[6]

---

[1] سورہ شعراء آیت 185
[2] سورہ شعراء آیت 185
[3] سورہ شعراء آیت 186
[4] سورہ شعراء آیت 186
[5] سورہ ہود آیت 88
[6] سورہ ہود آیت 88

تمہیں کہوں کم فروشی نہ کرو اور دھوکا بازی اور ملاوٹ نہ کرو لیکن میں خود یہ اعمال انجام دوں کہ دولت و ثروت اکھٹا کرنے لگوں یا تمہیں تو بتوں کی پرستش سے منع کروں مگر خود ان کے سامنے سر تعظیم خم کروں نہیں ایسا ہر گز نہیں ہے۔

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام پر الزام لگاتے تھے کہ خود یہ فائدہ اٹھانے کا ارادہ رکھتا ہے لہٰذا وہ صراحت سے اس امر کی نفی کرتے ہیں۔

آخر میں ان سے کہتے ہیں: ''میرا صرف ایک ہدف اور مقصد ہے اور وہ ہے اپنی قدرت و استطاعت کے مطابق تمہاری اور تمہارے معاشرے کی اصلاح''۔ [۱]

یہ وہی ہدف ہے جو تمام پیغمبروں کے پیش نظر رہا ہے، یعنی عقیدے کی اصلاح، اخلاق کی اصلاح، عمل کی اصلاح، روابط اور اجتماعی نظاموں کی اصلاح۔

''اور اس ہدف تک پہنچنے کے لئے صرف خدا سے توفیق طلب کرتا ہوں''۔ [۲]

مشکلات کے حل کے لئے اس کی مدد پر بھروسہ کرتے ہوئے کوشش کرتا ہوں اور اس راہ میں سختیاں گوارا کرنے کے لئے اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اس کے بعد انہیں ایک اخلاقی نکتے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی سے بغض و عداوت کی بناء پر یا تعصب اور ہٹ دھرمی سے اپنے تمام مصالح نظر انداز کر دیتا ہے اور انجام کو فراموش کر دیتا ہے، چنانچہ حضرت شعیب علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ''اے میری قوم ایسا نہ ہو کہ میری دشمنی اور عداوت تمہیں گناہ، عصیاں اور سرکشی پر ابھارے اور کہیں ایسا نہ ہو کہ وہی بلائیں، مصیبتیں، تکلیفیں عذاب اور سزائیں جو قوم نوح، قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچیں وہ تمہیں بھی آلیں، یہاں تک کہ قوم لوط کے شہروں کا زیر و زبر ہونا اور ان پر سنگباری کا واقعہ تم سے کوئی دور نہیں ہے''۔

نہ ان کا زمانہ تم سے کوئی دور ہے اور نہ ان کے علاقے تم سے دور ہیں اور نہ ہی تمہارے اعمال اور گناہ ان لوگوں سے کچھ کم ہیں۔ ''مدین'' کہ جو قوم شعیب کا مرکز تھا وہ قوم لوط کے علاقے سے کوئی زیادہ فاصلے پر نہیں تھا۔ کیونکہ دونوں شامات کے علاقوں میں تھے۔ زمانے کے لحاظ سے اگرچہ کچھ فاصلہ تھا تاہم اتنا نہیں کہ ان کی تاریخ فراموش ہو چکی ہوتی۔ باقی رہا عمل کے لحاظ سے تو اگرچہ قوم لوط کے جنسی انحرافات نمایاں تھے اور قوم شعیب کے اقتصادی انحرافات زیادہ تھے۔ اور ظاہراً بہت مختلف تھے لیکن دونوں معاشرے میں فساد پیدا کرنے، اجتماعی نظام خراب کرنے، اخلاقی فضائل کو نابود کرنے اور برائی پھیلانے میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے تھے۔

ایک دوسرے کو دھمکیاں

یہ عظیم پیغمبر حضرت شعیب علیہ السلام کہ انتہائی بچے تلے، بلیغ اور دلنشین کلام کی وجہ سے جن کا لقب ''خطیب الانبیاء'' ہے، ان کا کلام ان لوگوں کے لئے روحانی و مادی زندگی کی راہیں کھولنے والا تھا۔ انہوں نے بڑے صبر، حوصلے، متانت اور دلسوزی کے ساتھ ان سے تمام باتیں کیں لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس گمراہ قوم نے انہیں کس طرح سے جواب دیا۔

---

[۱] سورہ ہود آیت 88

[۲] سورہ ہود آیت 88

انہوں نے چار جملوں میں کہ جو ڈھٹائی، جہالت اور بے خبری کا مظہر تھے آپؑ کو جواب دیا: پہلے وہ کہنے لگے: ''اے شعیب علیہ السلام تمہاری زیادہ تر باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں''۔ [1]

بنیادی طور پر تیری باتوں کا کوئی سر پیر نہیں، ان میں کوئی خاص بات اور منطق ہی نہیں کہ ہم ان پر کوئی غور وفکر کریں۔ لہٰذا ان میں کوئی ایسی چیز نہیں جس پر ہم عمل کریں اس لیے تم اپنے آپ کو زیادہ نہ تھکاؤ اور دوسرے لوگوں کے پیچھے جاؤ۔

''دوسرا یہ کہ ہم تجھے اپنے مابین کمزور پاتے ہیں''۔ [2]

لہٰذا اگر تم یہ سوچتے ہو کہ تم اپنی بے منطق باتیں طاقت کے بل پر منوالو گے تو یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے۔

یہ گمان نہ کرو کہ اگر ہم تم سے پوچھ گچھ نہیں کرتے تو یہ تمہاری طاقت کے خوف سے ہے۔ اگر تیری قوم وقبیلہ کا احترام پیش نظر نہ ہوتا تو ہم تجھے بدترین طریقے سے قتل کر دیتے اور تجھے سنگسار کرتے۔ [3]

آخر میں انہوں نے کہا: ''تو ہمارے لیے کوئی طاقتور اور ناقابل شکست نہیں ہے''۔ [4]

اگرچہ تو اپنے قبیلے کے بزرگوں میں شمار ہوتا ہے لیکن جو پروگرام تیرے پیش نظر ہے اس کی وجہ سے ہماری نگاہ میں کوئی وقعت اور منزلت نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان باتوں کے نشتروں اور توہین آمیز رویّے سے (سیخ پا ہوکر) اٹھ کر نہیں گئے بلکہ آپؑ نے اس طرح انہیں پر منطق اور بلیغ پیرائے میں جواب دیا: ''اے قوم میرے قبیلے کے یہ چند افراد تمہارے نزدیک خدا سے زیادہ عزیز ہیں''[5]

تم میرے خاندان کی خاطر کہ جو تمہارے بقول چند نفر سے زیادہ نہیں ہے، مجھے آزار نہیں پہنچاتے ہو، تو کیوں خدا کے لیے تم میری باتوں کو قبول نہیں کرتے ہو۔ کیا عظمت خدا کے سامنے چند افراد کی کوئی حیثیت ہے؟

کیا تم خدا کے لئے کسی احترام کے قائل ہو'' جبکہ اسے اور اس کے فرمان کو تم نے پس پشت ڈال دیا ہے''[6]

آخر میں حضرت شعیب علیہ السلام کہتے ہیں: ''یہ خیال نہ کرو کہ خدا تمہارے اعمال کو نہیں دیکھتا اور تمہاری باتیں نہیں سنتا۔ یقین جانو کہ میرا پروردگار ان تمام اعمال پر محیط ہے جو تم انجام دیتے ہو''۔ [7]

بلیغ سخن ور وہ ہے کہ جو اپنی باتوں میں مدمقابل کی تمام تنقیدوں کا جواب دے۔ قوم شعیب علیہ السلام کے مشرکین نے چونکہ اپنی باتوں کے آخر میں ضمناً انہیں سنگسار کرنے کی دھمکی دی تھی اور ان کے سامنے اپنی طاقت کا اظہار کیا تھا لہٰذا ان کی دھمکی کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے موقف کو اس طرح سے بیان کیا:

اے میری قوم جو کچھ تمہارے بس میں ہے کر گزرو اور اس میں کوتاہی نہ کرو اور جو کچھ تم سے ہوسکتا ہے اس میں رورعایت نہ کرو۔ میں بھی اپنا کام کروں گا۔ لیکن تم جلد سمجھ جاؤ گے کہ کون رسوا کن عذاب میں گرفتار ہوتا ہے اور کون جھوٹا ہے میں یا تم۔

---

[1] سورہ ہود آیت 91

[2] سورہ ہود آیت 91

[3] سورہ شعیب آیت 91

[4] سورہ ہود آیت 91

[5] سورہ ہود آیت 92

[6] سورہ ہود آیت 92

[7] سورہ ہود آیت 92

اوراب جبکہ معاملہ اس طرح ہے توتم بھی انتظار کرواور میں بھی انتظار کرتا ہوں، تم اپنی طاقت، تعداد، سرمائے اوراثر ورسوخ سے مجھ پر کامیابی کے انتظار میں رہواور میں بھی اس انتظار میں ہوں کہ عنقریب دردناک عذاب الٰہی تم جیسی گمراہ قوم کے دامن گیر ہواور تمہیں صفحہ ہستی سے مٹادے۔

مدین کے تباہ کاروں کا انجام

گزشتہ اقوام کی سرگزشت کے بارے میں قرآن مجید میں ہم نے بارہا پڑھا ہے کہ پہلے مرحلے میں انبیاء انہیں خدا کی طرف دعوت دینے کے لیے قیام کرتے تھے اور ہر طرح سے تعلیم وتربیت اور پند ونصیحت میں کوئی گنجائش نہیں چھوڑتے تھے۔ دوسرے مرحلے میں جب ایک گروہ پر پند ونصائح کا کوئی اثر نہ ہوتا تو انہیں عذاب الٰہی سے ڈراتے تا کہ وہ آخری افراد تسلیم حق ہو جائیں جو قبولیت کی اہلیت رکھتے ہیں اور راہ خدا کی طرف پلٹ آئیں نیز اتمام حجت ہو جائے۔

تیسرے مرحلے میں جب ان پر کوئی چیز مؤثر نہ ہوتی تو روئے زمین کی ستھرائی اور پاک سازی کر لیے سنت الٰہی کے مطابق عذاب آجاتا اور راستے کے ان کانٹوں کو دور کر دیتا۔

قوم شعیب علیہ السلام یعنی اہل مدین کا بھی آخر کار مرحلہ انجام آپہنچا۔ چنانچہ قرآن کہتا ہے: ''جب (اس گمراہ، ظالم اور ہٹ دھرم قوم کو عذاب دیئے جانے کے بارے میں) ہمارا فرمان آپہنچا تو ہم نے شعیب علیہ السلام اور اس پر ایمان لانے والوں کو اپنی رحمت کی برکت سے نجات دی۔''[۱] ''پھر آسمانی پکار اور مرگ آفریں عظیم صیحہ نے ظالموں اور ستمگروں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔''[۲]

جیسا کہ ہم کہہ چکے ہیں۔ ''صیحہ'' ہر قسم کی عظیم آواز اور پکار کے معنی میں ہے، قرآن نے بعض قوموں کی نابودی صیحہ آسمانی کے ذریعے بتائی ہے۔ یہ صیحہ احتمالاً صاعقہ کے ذریعے یا اس کی مانند ہوتی ہے اور جیسا کہ ہم نے قوم ثمود کی داستان میں بیان کیا ہے کہ صوتی امواج بعض اوقات اس قدر قوی ہو سکتی ہیں کہ ایک گروہ کی موت کا سبب بن جائیں۔

اس کے بعد فرمایا گیا ہے: ''اس آسمانی صیحہ کے اثر سے قوم شعیب کے لوگ اپنے گھروں میں منہ کے بل جا گرے اور مر گئے اور ان کے بے جان جسم درس عبرت بنے ہوا ایک مدت تک وہیں پڑے رہے''۔[۳]

ان کی زندگی کی کتاب اس طرح بند کر دی گئی کہ ''گویا کبھی وہ اس سرزمین کے ساکن ہی نہ تھے''۔

سات روز تک شدت کی گرمی پڑی اور ہوا بالکل نہ چلی، اس کے بعد اچانک آسمان پر بادل آئے، ہوا چلی ان کو گھروں سے نکال پھینکا، گرمی کی وجہ سے بادل کے سایہ کے نیچے چلے گئے۔

اس وقت صاعقہ موت کا پیغام لے کر آئی خطرناک آواز، آگ کی بارش اور زمین میں زلزلہ آ گیا، اس طرح وہ سب نابود ہو گئے۔

وہ تمام دولت وثروت کہ جس کی خاطر انہوں نے گناہ اور ظلم وستم کیے نابود ہو گئی۔ انکی زمینیں اور زرق برق زندگی ختم ہو گئی اور ان کا شور وغوغا خاموش ہو گیا اور آخر کار جیسا کہ قوم عاد وثمود کی داستان کے آخر میں بیان ہوا ہے فرمایا گیا ہے: دور ہو سرزمین مدین

---

[۱] سورہ ہود آیت 94

[۲] سورہ ہود آیت 94

[۳] سورہ ہود آیت 94

لطف ورحمت پروردگار سے جیسے کہ قوم ثمود دور ہوئی ۔[1]

''واضح ہے کہ یہاں''مدین''سے مراد اہل مدین ہیں جو رحمت خدا سے دور ہوئے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

تمام پیغمبر کی نسبت قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ زیادہ آیا ہے۔تیس سے زیادہ سورتوں میں موسیٰ علیہ السلام وفرعون اور بنی اسرائیل کے واقعہ کی طرف سو مرتبہ سے زیادہ اشارہ ہوا ہے۔

اگر ہم ان آیتوں کی الگ الگ شرح کریں اس کے بعد ان سب کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیں تو بعض افراد کے اس توہم کے برخلاف کہ قرآن میں تکرار سے کام لیا گیا ہے، ہم کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں نہ صرف تکرار نہیں ہے بلکہ ہر سورہ میں جو بحث چھیڑی گئی ہے اس کی مناسبت سے اس سرگزشت کا ایک حصہ شاہد کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔

ضمناً یہ بات بھی ذہن میں رکھنا چاہیئے اس زمانے میں مملکت مصر نسبتاً وسیع مملکت تھی۔وہاں کے رہنے والوں کا تمدن بھی حضرت نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام کی اقوام سے زیادہ ترقی یافتہ تھا۔لہٰذا حکومت فراعنہ کی مقاومت بھی زیادہ تھی۔

اسی بناء پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تحریک اور نہضت بھی اتنی اہمیت کی حامل ہوئی کہ اس میں بہت زیادہ عبرت انگیز نکات پائے جاتے ہیں۔بنابریں اس قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی اور بنی اسرائیل کے حالات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

کلی طور پر اس عظیم پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کو پانچ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے پانچ ادوار

1۔پیدائش سے لے کر آغوش فرعون میں آپؑ کی پرورش تک کا زمانہ۔

2۔مصر سے آپؑ کا نکلنا اور شہر مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس کچھ وقت گزارنا۔

3۔آپؑ کی بعثت کا زمانہ اور فرعون اور اس کی حکومت والوں سے آپؑ کے متعدد تنازعے۔

4۔فرعونیوں کے چنگل سے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کی نجات اور وہ حوادث جو راستہ میں اور بیت المقدس پہنچنے پر رونما ہوئے۔

5۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان کشمکش کا زمانہ۔

ولادت حضرت موسیٰ علیہ السلام

حکومت فرعون نے بنی اسرئیل کے یہاں جو نومولود لڑکے ہوتے تھے انہیں قتل کرنے کا ایک وسیع پروگرام بنایا تھا۔یہاں تک کہ فرعون کی مقرر کردہ دائیاں بنی اسرائیل کی باردار عورتوں کی نگرانی کرتی تھیں۔

ان دائیوں میں سے ایک والدہ موسیٰ علیہ السلام کی دوست بن گئی تھی۔(شکم مادر میں موسیٰ علیہ السلام کا حمل مخفی رہا اور اس کے آثار ظاہر نہ ہوئے) جس وقت مادر موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ بچے کی ولادت کا وقت قریب ہے تو آپ نے کسی کے ذریعہ اپنی دوست دائی کو

---

[1] سورہ ہود آیت 95

بلانے بھیجا۔ جب وہ آ گئی تو اس سے کہا: میرے پیٹ میں ایک فرزند ہے، آج مجھے تمہاری دوستی اور محبت کی ضرورت ہے۔

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے تو آپ کی آنکھوں میں ایک خاص نور چمک رہا تھا، چنانچہ اسے دیکھ کر وہ دایہ کانپنے لگی اور اس کے دل کی گہرائی میں محبت کی ایک بجلی سما گئی، جس نے اس کے دل کی تمام فضاء کو روشن کر دیا۔

یہ دیکھ کر وہ دایہ، مادر موسیٰ علیہ السلام سے مخاطب ہو کر بولی کہ میرا یہ خیال تھا کہ حکومت کے دفتر میں جا کے اس بچے کے پیدا ہونے کی خبر دوں تا کہ جلاد آئیں اور اسے قتل کر دیں اور میں اپنا انعام پالوں۔ مگر میں کیا کروں کہ میں اپنے دل میں اس نوزائیدہ بچے کی شدید محبت کا احساس کرتی ہوں۔ یہاں تک کہ میں یہ نہیں چاہتی کہ اس کا بال بھی بیکا ہو۔ اس کی اچھی طرح حفاظت کرو۔ میرا خیال ہے کہ آخر کار یہی ہمارا دشمن ہوگا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام تنور میں

وہ دایہ مادر موسیٰ علیہ السلام کے گھر سے باہر نکلی۔ تو حکومت کے بعض جاسوسوں نے اسے دیکھ لیا۔ انھوں نے تہیہ کر لیا کہ وہ گھر میں داخل ہو جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بہن نے اپنی ماں کو اس خطرے سے آگاہ کر دیا ماں یہ سن کے گھبرا گئی۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب کیا کرے۔

اس شدید پریشانی کے عالم میں جب کہ وہ بالکل حواس باختہ ہو رہی تھی اس نے بچے کو ایک کپڑے میں لپیٹا اور تنور میں ڈال دیا۔ اس دوران میں حکومت کے آدمی آ گئے۔ مگر وہاں انھوں نے روشن تنور کے سوا کچھ نہ دیکھا۔ انھوں نے مادر موسیٰ علیہ السلام سے تفتیش شروع کر دی۔ پوچھا۔ دایہ یہاں کیا کر رہی تھی۔؟ موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے کہا کہ وہ میری سہیلی ہے مجھ سے ملنے آئی تھی۔ حکومت کے کارندے مایوس ہو کے واپس ہو گئے۔

اب موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو ہوش آیا۔ آپ نے اپنی بیٹی سے پوچھا کہ بچہ کہاں ہے؟ اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ ناگہاں تنور کے اندر سے بچے کے رونے کی آواز آئی۔ اب ماں تنور کی طرف دوڑی۔ کیا دیکھتی ہے کہ خدا نے اس کے لئے آتش تنور کو "ٹھنڈا اور سلامتی کہ جگہ" بنا دیا ہے۔ وہی خدا جس نے حضرت ابراھیم علیہ السلام کے لیے آتش نمرود کو "بردوسلام" بنا دیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور بچے کو صحیح وسالم باہر نکال لیا۔

لیکن پھر بھی ماں محفوظ نہ تھی۔ کیونکہ حکومت کے کارندے دائیں بائیں پھرتے رہتے اور جستجو میں لگے رہتے تھے۔ کسی بڑے خطرے کے لیے یہی کافی تھا کہ وہ ایک نوزائید بچے کے رونے کی آواز سن لیتے۔

اس حالت میں خدا کے ایک الہام نے ماں کے قلب کو روشن کر دیا۔ وہ الہام ایسا تھا کہ ماں کو بظاہر ایک خطرناک کام پر آمادہ کر رہا تھا۔ مگر پھر بھی ماں اس ارادے سے اپنے دل میں سکون محسوس کرتی تھی۔

"ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کی طرف وحی کی کہ اسے دودھ پلا اور جب تجھے اس کے بارے میں کچھ خوف پیدا ہو تو اسے دریا میں ڈال دینا اور ڈرنا نہیں اور نہ غمگین ہونا کیونکہ ہم اسے تیرے پاس لوٹا دیں گے اور اسے رسولوں میں سے قرار دیں گے"۔ [1]

اس نے کہا: "خدا کی طرف سے مجھ پر یہ فرض عائد ہوا ہے۔ میں اسے ضرور انجام دوں گی"۔ اس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ میں اس الہام کو ضرور عملی جامہ پہناؤں گی اور اپنے نوزائیدہ بچے کو دریائے نیل میں ڈال دوں گی۔

---

[1] سورہ قصص آیت 7

اس نے ایک مصری بڑھئی کو تلاش کیا (وہ بڑھئی قبطی اور فرعون کی قوم میں سے تھا) اس نے اس بڑھئی سے درخواست کی کہ میرے لیے ایک چھوٹا سا صندوق بنا دے۔

بڑھئی نے پوچھا: جس قسم کا صندوقچہ تم بنوانا چاہتی ہو اسے کس کام میں لاؤ گی؟

موسیٰ علیہ السلام کی ماں جو دروغ گوئی کی عادی نہ تھی اس نازک مقام پر بھی سچ بولنے سے باز نہ رہی۔ اس نے کہا: میں بنی اسرائیل کی ایک عورت ہوں۔ میرا ایک نوزائیدہ بچہ لڑکا ہے۔ میں اس بچے کو اس صندوق میں چھپانا چاہتی ہوں۔

اس قبطی بڑھئی نے اپنے دل میں یہ پختہ ارادہ کر لیا کہ جلادوں کو یہ خبر پہنچا دے گا۔ وہ تلاش کر کے ان کے پاس پہنچ گیا۔ مگر جب وہ انہیں یہ خبر سنانے لگا تو اس کے دل پر ایسی وحشت طاری ہوئی کہ اس کی زبان بند ہوگئی۔ وہ صرف ہاتھوں سے اشارے کرتا تھا اور چاہتا تھا کہ ان علامتوں سے انہیں اپنا مطلب سمجھا دے۔ حکومت کے کارندوں نے اس کی حرکات دیکھ کر یہ سمجھا کہ یہ شخص ہم سے مذاق کر رہا ہے۔ اس لیے اسے مارا اور باہر نکال دیا۔

جیسے ہی وہ اس دفتر سے باہر نکلا اس کے ہوش و حواس یکجا ہو گئے، وہ پھر جلادوں کے پاس گیا اور اپنی حرکات سے پھر مار کھائی۔

آخر اس نے یہ سمجھا کہ اس واقعے میں ضرور کوئی الٰہی راز پوشیدہ ہے۔ چنانچہ اس نے صندوق بنا کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو دے دیا۔

دریا کی موجیں گہوارے سے بہتر

غالباً صبح کا وقت تھا۔ ابھی اہل مصر محو خواب تھے۔ مشرق سے پو پھٹ رہی تھی۔ ماں نے نوزائیدہ بچے اور صندوق کو دریائے نیل کے کنارے لائی، بچے کو آخری مرتبہ دودھ پلایا۔ پھر اسے، مخصوص صندوق میں رکھا (جس میں یہ خصوصیت تھی کہ ایک چھوٹی کشتی کی طرح پانی پر تیر سکے) پھر اس صندوق کو نیل کی موجوں کے سپرد کر دیا۔

نیل کی پر شور موجوں نے اس صندوق کو جلد ہی ساحل سے دور کر دیا۔ ماں کنارے کھڑی دیکھ رہی تھی۔ معاً اسے ایسا محسوس ہوا کہ اس کا دل سینے سے نکل کر موجوں کے اوپر تیر رہا ہے۔ اس وقت، اگر الطاف الٰہی اس کے دل کو سکون و قرار نہ بخشتا تو یقیناً وہ زور زور سے رونے لگتی اور پھر سارا راز فاش ہو جاتا، کسی آدمی میں یہ قدرت نہیں ہے کہ ان حساس لمحات میں ماں پر جو گزر رہی تھی۔ الفاظ میں اس کا نقشہ کھینچ سکے مگر۔ ایک فارسی شاعرہ نے کسی حد تک اس منظر کو اپنے فصیح اور پر از جذبات اشعار میں مجسم کیا ہے۔

ترجمہ اشعار:

1۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے حکم الٰہی کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو دریائے نیل میں ڈال دیا۔

2۔ وہ ساحل پر کھڑی ہوئی حسرت سے دیکھ رہی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اے میرے بے گناہ ننھے بیٹے

3۔ اگر لطف الٰہی تیرے شامل حال نہ ہو تو، تو اس کشتی میں کیسے سلامت رہ سکتا ہے جس کا کوئی ناخدا نہیں ہے۔

4۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو اس وقت وحی ہوئی کہ تیری یہ کیا خام خیالی ہے ہمارا مسافر تو سوئے منزل رواں ہے۔

5۔ تو نے جب اس بچے کو دریا میں ڈالا تھا تو ہم نے اسے اسی وقت سنبھال لیا تھا۔ تو نے خدا کا ہاتھ دیکھا مگر اسے پہچانا نہیں۔

6۔اس وقت پانی کی سطح (اس کے لیے)اس کے گھوارے سے زیادہ راحت بخش ہے۔دریا کا سیلاب اس کی دایہ گیری کررہا ہے اوراس کی موجیں آغوش مادر بنی ہوئی ہیں۔
7۔دیکھو! دریاؤں میں ان کے ارادہ واختیار سے طغیانی نہیں آتی۔وہ ہمارے حکم کے مطیع ہیں وہ وہی کرتے ہیں جو ہمارا امر ہوتا ہے۔
8۔ہم ہی سمندروں کوطوفانی ہونے کا حکم دیتے ہیں اور ہم ہی سیل دریا کوروانی اورامواج بحر کوتلاطم کا فرمان بھیجتے ہیں۔
9۔ہستی کا نقش ہمارے ایوان کے نقوش میں سے ایک نقش ہے جو کچھ ہے،یہ کائنات تواس کا مشتے ازخرواری نمونہ ہے۔اور خاک،پانی،ہوااور آتش ہمارے ہی اشارے سے متحرک ہیں۔
10۔بہتر یہی ہے کہ تو بچے کو ہمارے سپرد کردے اور خود واپس چلی جا۔کیونکہ تواس سے ہم سے زیادہ محبت نہیں کرتی۔

دلوں میں حضرت موسی علیہ السلام کی محبت

اب دیکھنا چاہئے کہ فرعون کے محل میں کیا ہورہا تھا؟
روایات میں مذکور ہے کہ فرعون کی ایک اکلوتی بیٹی تھی۔وہ ایک سخت بیماری سے شدید تکلیف میں تھی۔فرعون نے اس کا بہت کچھ علاج کرایا مگر بے سود۔اس نے کاہنوں سے پوچھا۔انھوں نے کہا:''اے فرعون ہم پیشین گوئی کرتے ہیں کہ اس دریا میں سے ایک آدمی تیرے محل میں داخل ہوگا۔اگراس کے منہ کی رال اس بیمار کے جسم پر ملی جائے گی تو اسے شفا ہوجائیگی''۔
چنانچہ فرعون اوراس کی ملکہ آسیہ ایسے واقعے کے انتظار میں تھے کہ ناگہاں ایک روزانہیں ایک صندوق نظر آیا جوموجوں کی سطح پر تیر رہا تھا۔فرعون نے حکم دیا کہ سرکاری ملازمین فوراًدیکھیں کہ یہ صندوق کیسا ہے اوراسے پانی میں سے نکال لیں۔دیکھیں کہ اس میں کیا ہے؟
نوکروں نے وہ عجیب صندوق فرعون کے سامنے لاکے رکھ دیا۔کسی کواس کا ڈھکنا کھولنے کی ہمت نہ ہوئی۔مطابق مشیت الٰہی،یہ لازمی تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کے لیے صندوق کا ڈھکنا فرعون ہی کے ہاتھ سے کھولا جائے،چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
جس وقت فرعون کی ملکہ نے اس بچے کو دیکھا تو اسے یوں محسوس ہوا کہ ایک بجلی چمکی ہے جس نے اس کے دل کومنور کردیا ہے۔
ان دونوں بالخصوص فرعون کی ملکہ کے دل میں اس بچے کی محبت نے گھر بنالیا اور جب اس بچے کا آب دہن اس کے لیے موجب شفا ہوگیا تو یہ محبت اور بھی زیادہ ہوگئی۔
قرآن میں یہ واقعہ اس طرح مذکور ہے کہ:۔فرعون کے اہل خانہ نے موسیٰ علیہ السلام کو نیل کی موجوں کے اوپر سے پکڑلیا۔تاکہ وہ ان کا دشمن اوران کے لیے باعث اندوہ ہوجائے۔[1]
''یہ امر بدیہی ہے کہ فرعون کے اہل خانہ نے اس بچے کے قنداقہ (وہ کپڑا جس میں بچہ کو لپیٹتے ہیں)کواس نیت سے دریا سے نہیں نکالا تھا کہ اپنے جانی دشمن کواپنی گود میں پالیں،بلکہ وہ لوگ بقول ملکہ فرعون،اپنے لیے ایک نور چشم حاصل کرنا چاہتے تھے''۔
لیکن انجام کار ایسا ہی ہوا،اس معنی ومراد کی تعبیر میں لطافت یہی ہے کہ خدااپنی قدرت کا اظہار کرنا چاہتا ہے کہ وہ کس طرح

[1] سورہ قصص آیت8

اس گروہ کو جنھوں نے اپنی تمام قوتیں اور وسائل، بنی اسرائیل کی اولاد ذکور کو قتل کرنے کے لیے وقف کر دیا تھا، اس خدمت پر مامور کرے کہ جس بچے کو نابود کرنے کے لیے انھوں نے یہ پروگرام بنایا تھا، اسی کو وہ اپنی جان کی طرح عزیز رکھیں اور اسی کی پرورش کریں۔

قرآن کی آیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس بچے کی بابت فرعون، اس کی ملکہ اور دیگر اہل خاندان میں باہم نزاع اور اختلاف بھی ہوا تھا، کیونکہ قرآن شریف میں یوں بیان ہے: فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ بچہ میری اور تیری آنکھوں کا نور ہے۔ اسے قتل نہ کرو ممکن ہے یہ ہمارے لیے نفع بخش ہو یا ہم اسے اپنا بیٹا بنا لیں۔[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فرعون بچے کے چہرے اور دیگر علامات سے، من جملہ ان کے اسے صندوق میں رکھنے اور دریائے نیل میں بہا دینے سے یہ سمجھ گیا تھا کہ یہ بنی اسرائیل میں سے کسی کا بچہ ہے۔

یہ سمجھ کر ناگہاں، بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کی بغاوت اور اس کی سلطنت کے زوال کا کابوس اس کی روح پر مسلط ہو گیا اور وہ اس امر کا خواہاں ہوا کہ اس کا وہ ظالمانہ قانون، جو بنی اسرائیل کے تمام نوزائیدہ اطفال کے لیے جاری کیا گیا تھا اس بچے پر بھی نافذ ہو۔

فرعون کے خوشامدی درباریوں اور رشتہ داروں نے بھی اس امر میں فرعون کی تائید و حمایت کی اور کہا اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ یہ بچہ قانون سے مستثنیٰ رہے۔

لیکن فرعون کی بیوی آسیہ جس کے بطن سے کوئی لڑکا نہ تھا اور اس کا پاک دل فرعون کے درباریوں کی مانند نہ تھا، اس بچے کے لیے محبت کی کان بن گیا تھا۔ چنانچہ وہ ان سب کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی اور چونکہ اس قسم کے گھریلو اختلافات میں فتح ہمیشہ عورتوں کی ہوتی ہے، وہ بھی جیت گئی۔

اگر اس گھریلو جھگڑے پر، دختر فرعون کی شفایابی کے واقعے کا بھی اضافہ کر لیا جائے تو اس اختلاف باہمی میں آسیہ کی فتح کا امکان روشن تر ہو جاتا ہے۔

قرآن میں ایک بہت ہی پر معنی فقرہ ہے: ''وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں:''[2]

البتہ وہ بالکل بے خبر تھے کہ خدا کا واجب النفوذ فرمان اور اس کی شکست ناپذیر مشیت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ یہ طفل نوزائیدہ انتہائی خطرات میں پرورش پائے۔ اور کسی آدمی میں بھی ارادہ و مشیت الٰہی سے سرتابی کی جرأت اور طاقت نہیں ہے۔

اللہ کی عجیب قدرت

اس چیز کا نام قدرت نمائی نہیں ہے کہ خدا آسمان و زمین کے لشکروں کو مامور کر کے کسی پُر قوت اور ظالم قوم کو نیست و نابود کر دے۔

بلکہ قدرت نمائی یہ ہے کہ ان ہی جباران مستکبر سے یہ کام لے کر وہ اپنے آپ کو خود ہی نیست و نابود کر لیں اور ان کے دل و

---

[1] سورہ قصص آیت 9

[2] سورہ قصص آیت 9

دماغ میں ایسے خیالات پیدا ہوجائیں کہ بڑے شوق سے لکڑیاں جمع کریں اوراس کی آگ میں جل مریں، اپنے لیے خود ہی قید خانہ بنائیں اوراس میں اسیر ہوکے جان دے دیں، اپنے لیے خود ہی صلیب کھڑی کریں اوراس پر چڑھ مرجائیں۔

فرعون اوراسکے زورمند اور ظالم ساتھیوں کے ساتھ بھی یہی پیش آیا۔ چنانچہ تمام مراحل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات اور پرورش انہی کے ہاتھوں سے ہوئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دایہ قبطیوں میں سے تھی، صندوق موسیٰ علیہ السلام کوامواج نیل سے نکالنے اورنجات دینے والے متعلقین فرعون تھے، صندوق کا ڈھکنا کھولنے والا خود فرعون یا اس کی اہلیہ تھی، اورآخر کار فرعون شکن اور مالک غلبہ واقتدار موسیٰ علیہ السلام کے لیے امن وآرام اور پرورش کی جگہ خود فرعون کا محل قرار پایا۔

یہ ہے پروردگار عالم خدا کی قدرت۔

موسیٰ علیہ السلام پھر آغوش مادر میں

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے اس طرح سے جیسا کہ ہم نے پیشتر بیان کیا ہے، اپنے فرزند کو دریائے نیل کی لہروں کے سپرد کردیا۔ مگر اس عمل کے بعد اس کے دل میں جذبات کا ایک شدید طوفان اٹھنے لگا، نوزائیدہ بیٹے کی یاد، جس کے سوا اس کے دل میں کچھ نہ تھا، اس کے احساسات پر غالب آگئی تھی، قریب تھا کہ وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے اور اپنا راز فاش کردے، قریب تھا کہ چیخ مارے اوراپنے بیٹے کی جدائی میں نالے کرے۔

لیکن عنایت خداوندی اس کے شامل حال رہی جیسا کہ قرآن میں مذکور ہے: "موسیٰ علیہ السلام کی ماں کا دل اپنے فرزند کی یاد کے سوا ہر چیز سے خالی ہوگیا، اگر ہم نے اس کا دل ایمان اورامید کے نور سے روشن نہ کیا ہوتا تو قریب تھا کہ وہ راز فاش کردیتی۔ لیکن ہم نے یہ اس لیے کیا تاکہ وہ اہل ایمان میں سے رہے"۔ [1]

یہ قطعی فطری امر ہے کہ: ایک ماں جو اپنے بچے کو اس صورت حال سے اپنے پاس سے جدا کرے وہ اپنی اولاد کے سوا ہر شے کو بھول جائے گی۔ اوراس کے حواس ایسے باختہ ہوجائیں گے کہ ان خطرات کا لحاظ کیے بغیر جو اس کے اوراس کے بیٹے دونوں کے سر پر منڈلا رہے تھے فریاد کرے اوراپنے دل کا راز فاش کردے۔

لیکن وہ خدا جس نے اس ماں کے سپرد یہ اہم فریضہ کیا تھا، اسی نے اس کے دل کو ایسا حوصلہ بھی بخشا کہ وعدہ الٰہی پر اس کا ایمان ثابت رہے اوراسے یہ یقین رہے کہ اس کا بچہ خدا کے ہاتھ میں ہے آخر کار وہ پھر اسی کے پاس آجائے گا اور پیغمبر بنے گا۔

اس لطف خداوندی کے طفیل ماں کے دل کا سکون لوٹ آیا مگر اسے آرزو رہی کہ وہ اپنے فرزند کے حال سے باخبر رہے "اس لئے اس نے موسیٰ علیہ السلام کی بہن سے کہا کہ جا تو دیکھتی رہ کہ اس پر کیا گزرتی ہے"۔ [2]

موسیٰ علیہ السلام کی بہن ماں کا حکم بجالائی اوراتنے فاصلہ سے جہاں سے سب کچھ نظر آتا تھا دیکھتی رہی۔ اس نے دور سے دیکھا کہ فرعون کے عمال اس کے بھائی کے صندوق کو پانی میں سے نکال رہے ہیں اور موسیٰ علیہ السلام کو صندوق میں سے نکال کر گود میں لے رہے ہیں۔

"مگر وہ لوگ اس بہن کی اس کیفیت حال سے بے خبر تھے"۔ [3]

---

[1] سورہ قصص آیت 10

[2] سورہ قصص آیت 11

[3] سورہ قصص آیت 11

بہر حال ارادہ الٰہی یہ تھا کہ یہ طفل نوزاد جلد اپنی ماں کے پاس واپس جائے اور اس کے دل کو قرار آئے۔ اس لیے فرمایا گیا ہے: "ہم نے تمام دودھ پلانے والی عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا"۔ [1]

یہ طبیعی ہے کہ شیر خوار نوزاد چند گھنٹے گزرتے ہی بھوک سے رونے لگتا ہے اور بے تاب ہو جاتا ہے۔ دریں حال لازم تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دودھ پلانے کے لیے کسی عورت کی تلاش کی جاتی۔ خصوصاً جبکہ ملکہ مصر اس بچے سے نہایت دل بستگی رکھتی تھی اور اسے اپنی جان کے برابر عزیز رکھتی تھی۔

محل کے تمام خدام حرکت میں آ گئے اور در بدر کسی دودھ پلانے والی کو تلاش کرنے لگے۔ مگر یہ عجیب بات تھی کہ وہ کسی کا دودھ پیتا ہی نہ تھا۔

ممکن ہے کہ وہ بچہ ان عورتوں کی صورت ہی سے ڈرتا ہو اور ان کے دودھ کا مزہ (جس سے وہ آشنا نہ تھا) اسے اس کا ذائقہ ناگوار اور تلخ محسوس ہوتا ہو۔ اس بچے کا طور کچھ اس طرح کا تھا گویا کہ ان (دودھ پلانے والی) عورتوں کی گود سے اچھل کے دور جا گرے دراصل یہ خدا کی طرف سے "تحریم تکوینی" تھی کہ اس نے تمام عورتوں کو اس پر حرام کر دیا تھا۔

بچہ لحظہ بہ لحظہ زیادہ بھوکا اور زیادہ بیتاب ہوتا جاتا تھا۔ بار بار رو رہا تھا اور اس کی آواز سے فرعون کے محل میں شور ہو رہا تھا۔ اور ملکہ کا دل لرز رہا تھا۔

خدمت پر مامور لوگوں نے اپنی تلاش کو تیز تر کر دیا۔ ناگہاں قریب ہی انہیں ایک لڑکی مل جاتی ہے۔ وہ ان سے یہ کہتی ہے: میں ایک ایسے خاندان کو جانتی ہوں جو اس بچے کی کفالت کر سکتا ہے۔ وہ لوگ اس کے ساتھ اچھا سلوک کریں گے۔

"کیا تم لوگ یہ پسند کرو گے کہ میں تمہیں وہاں لے چلوں"؟ [2]

میں بنی اسرائیل میں سے ایک عورت کو جانتی ہوں جس کی چھاتیوں میں دودھ ہے اور اس کا دل محبت سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا ایک بچہ تھا وہ اسے کھو چکی ہے۔ وہ ضرور اس بچے کو جو محل میں پیدا ہوا ہے، دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے گی۔

وہ تلاش کرنے والے خدام یہ سن کر خوش ہو گئے اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو فرعون کے محل میں لے گئے۔ اس بچے نے جونہی اپنی ماں کی خوشبو سونگھی اس کا دودھ پینے لگا۔ اور اپنی ماں کا روحانی رس چوس کر اس میں جان تازہ آ گئی۔ اسکی آنکھوں میں خوشی کا نور چمکنے لگا۔

اس وقت وہ خدام جو ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے تھے۔ بہت ہی زیادہ خوش وخرم تھے۔ فرعون کی بیوی بھی اس وقت اپنی خوشی کو نہ چھپا سکی۔ ممکن ہے اس وقت لوگوں نے کہا ہو کہ تو کہاں چلی گئی تھی۔ ہم تجھے ڈھونڈ ڈھونڈ کے تھک گئے۔ تجھ پر اور تیرے شیر مشکل کشا پر آفرین ہے۔

صرف تیرا ہی دودھ کیوں پیا

جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام ماں کا دودھ پینے لگے، فرعون کے وزیر ہامان نے کہا: مجھے لگتا ہے کہ تو ہی اسکی ماں ہے۔ بچے نے ان تمام عورتوں میں سے صرف تیرا ہی دودھ کیوں قبول کر لیا؟

---

[1] سورہ قصص آیت 12

[2] سورہ قصص آیت 12

ماں نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں ایسی عورت ہوں جس کے دودھ میں سے خوشبو آتی ہے۔ میرا دودھ نہایت شیریں ہے۔ اب تک جو بچہ بھی مجھے سپرد کیا گیا ہے۔ وہ فوراً ہی میرا دودھ پینے لگتا ہے۔

حاضرین دربار نے اس قول کی صداقت کو تسلیم کرلیا اور ہر ایک نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماں کو گراں بہا ہدیے اور تحفے دیے۔

ایک حدیث جو امام باقر علیہ السلام سے مروی ہے اس میں منقول ہے کہ: ''تین دن سے زیادہ کا عرصہ نہ گزرا تھا کہ خدا نے بچے کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا''۔

بعض اہل دانش کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے یہ ''تحریم تکوینی'' (یعنی دوسری عورتوں کا حرام کیا جانا) اس سبب سے تھا کہ خدا یہ نہیں چاہتا تھا کہ میرا فرستادہ پیغمبر ایسا دودھ پیئے جو حرام سے آلودہ ہو اور ایسا مال کھا کے بنا ہو جو چوری، ناجائز ذرائع، رشوت اور حق الناس کو غصب کر کے حاصل کیا گیا ہو۔

خدا کی مشیت یہ تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی صالحہ ماں کے پاک دودھ سے غذا حاصل کریں۔ تاکہ وہ اہل دنیا کے شر کے خلاف ڈٹ جائیں اور اہل شر و فساد سے نبرد آزمائی کر سکیں۔

''ہم نے اس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اس کی ماں کے پاس لوٹا دیا۔ تاکہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں اور اس کے دل میں غم واندوہ باقی نہ رہے اور وہ یہ جان لے کہ خدا کا وعدہ حق ہے۔ اگرچہ اکثر لوگ یہ نہیں جانتے''۔ [1]

اس مقام پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ: کیا وابستگان فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پورے طور سے ماں کے سپرد کر دیا تھا کہ وہ اسے گھر لے جائے اور دودھ پلایا کرے اور دوران رضاعت روزانہ یا کبھی کبھی بچے کو محل میں لایا کرے تاکہ ملکہ مصر اسے دیکھ لیا کرے یا یہ کہ بچہ محل ہی میں رہتا تھا اور موسیٰ علیہ السلام کی ماں معین اوقات میں آکر اسے دودھ پلا جاتی تھی؟

مذکورہ بالا دونوں احتمالات کے لیے ہمارے پاس کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ لیکن احتمال اول زیادہ قرین قیاس ہے۔

ایک اور سوال یہ ہے کہ: آیا عرصہ شیرخوارگی کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں چلے گئے یا ان کا تعلق اپنی ماں اور خاندان کے ساتھ باقی رہا اور محل سے وہاں آتے جاتے رہے؟

اس مسئلے کے متعلق بعض صاحبان نے یہ کہا ہے کہ شیرخوارگی کے بعد آپ کی ماں نے انہیں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ کے سپرد کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ان دونوں کے پاس پرورش پاتے رہے۔

اس ضمن میں راویوں نے فرعون کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طفلانہ (مگر بامعنی) باتوں کا ذکر کیا ہے کہ اس مقام پر ہم ان کو بعذر طول کلام کے پیش نظر قلم انداز کرتے ہیں۔ لیکن فرعون کا یہ جملہ کہ اس نے بعثت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کہا: ''کیا ہم نے تجھے بچپن میں پرورش نہیں کیا اور کیا تو برسوں تک ہمارے درمیان نہیں رہا''۔ [2]

اس جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام چند سال تک فرعون کے محل میں رہتے تھے۔

علی ابن ابراھیم کی تفسیر سے استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تا زمانہ بلوغ فرعون کے محل میں نہایت احترام کے ساتھ رہے۔ مگر ان کی توحید کے بارے میں واضح باتیں فرعون کو سخت ناگوار ہوتی تھیں۔

---

[1] سورہ قصص آیت 1

[2] سورہ شعراء آیت 18

یہاں تک کہ اس نے انہیں قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔حضرت موسیٰ علیہ السلام اس خطرے کو بھاپ گئے اور بھاگ کر شہر میں آ گئے۔ یہاں وہ اس واقعے سے دو چار ہوئے کہ دو آدمی لڑ رہے تھے جن میں سے ایک قبطی اور ایک سبطی تھا۔[۱]

موسیٰ علیہ السلام مظلوموں کے مددگار کے طور پر

اب ہم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نشیب وفراز سے بھر پور زندگی کے تیسرے دور کو ملاحظہ کرتے ہیں۔

اس دور میں ان کے وہ واقعات ہیں جو انہیں دوران بلوغ اور مصر سے مدین کو سفر کرنے سے پہلے پیش آئے اور یہ وہ اسباب ہیں جو ان کی ہجرت کا باعث ہوئے۔

''بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں اس وقت داخل ہوئے جب تمام اہل شہر غافل تھے''۔[۲]

یہ واضح نہیں ہے کہ یہ کونسا شہر تھا۔لیکن احتمال قوی یہ ہے کہ یہ مصر کا پایہ تخت تھا۔بعض لوگوں کا قول ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس مخالفت کی وجہ سے جو ان میں فوعون اور اس کے وزراء میں تھی اور بڑھتی جارہی تھی،مصر کے پایہ تخت سے نکال دیا گیا تھا۔مگر جب لوگ غفلت میں تھے۔موسیٰ علیہ السلام کو موقع مل گیا اور وہ شہر میں آ گئے۔

اس احتمال کی بھی گنجائش ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل سے نکل کر شہر میں آئے ہوں کیونکہ عام طور پر فرعونیوں کے محلات شہر کے ایک کنارے پر ایسی جگہ بنائے جاتے تھے جہاں سے وہ شہر کی طرف آمد ورفت کے راستوں کی نگرانی کر سکیں۔

شہر کے لوگ اپنے مشاغل معمول سے فارغ ہو چکے تھے اور کوئی بھی شہر کی حالت کی طرف متوجہ نہ تھا۔مگر یہ کہ وہ وقت کونسا تھا؟ بعض کا خیال ہے کہ ''ابتدائے شب'' تھی،جب کہ لوگ اپنے کاروبار سے فارغ ہو جاتے ہیں،ایسے میں کچھ تو اپنے اپنے گھروں کی راہ لیتے ہیں۔کچھ تفریح اور رات کو بیٹھ کے باتیں کرنے لگتے ہیں۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر میں آئے اور وہاں ایک ماجرے سے دو چار ہوئے دیکھا:''دو آدمی آپس میں بھڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو مار رہے ہیں۔ان میں سے ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کا طرف دار اور ان کا پیرو تھا اور دوسرا ان کا دشمن تھا''۔[۳]

کلمہ ''شیعتہ'' اس امر کا غماز ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل میں اسی زمانے سے مراسم ہو گئے تھے اور کچھ لوگ ان کے پیرو بھی تھے احتمال یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے مقلدین اور شیعوں کی روح کو فرعون کی جابرانہ حکومت کے خلاف لڑنے کے لئے بطور ایک مرکزی طاقت کے تیار کر رہے تھے۔

جس وقت بنی اسرائیل کے اس آدمی نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا:''تو ان سے اپنے،دشمن کے مقابلے میں امداد چاہی''۔[۴]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کی مدد کرنے کے لئے تیار ہو گئے تاکہ اسے اس ظالم دشمن کے ہاتھ سے نجات دلائیں بعض علماء کا خیال ہے کہ وہ قبطی فرعون کا ایک باورچی تھا اور چاہتا تھا کہ اس بنی اسرائیل کو بیکار میں پکڑ کے اس سے لکڑیاں اٹھوائے ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس فرعونی کے سینے پر ایک مکا مارا وہ ایک ہی مکے میں مر گیا اور زمین پر گر پڑا''۔[۵]

---

[۱] اس واقعہ کی تفصیل آئندہ آئے گی۔
[۲] سورہ قصص آیت 18
[۳] سورہ قصص آیت 15
[۴] سورہ قصص آیت 15
[۵] سورہ قصص آیت 15

اس میں شک نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس فرعونی کو جان سے مار دینے کا ارادہ نہ تھا قرآن سے بھی یہ خوب واضح ہوجاتا ہے ایسا اس لئے نہ تھا کہ وہ لوگ مستحق قتل نہ تھے بلکہ انہیں ان نتائج کا خیال تھا جو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو پیش آسکتے تھے۔

لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فوراً کہا: ''کہ یہ کام شیطان نے کرایا ہے کیونکہ وہ انسانوں کا دشمن اور واضح گمراہ کرنے والا ہے''۔[1]

اس واقعے کی دوسری تعبیر یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام چاہتے تھے کہ بنی اسرئیلی کا گریبان اس فرعونی کے ہاتھ سے چھڑادیں ہر چند کہ وابستگان فرعون اس سے زیادہ سخت سلوک کے مستحق تھے لیکن ان حالات میں ایسا کام کر بیٹھنا قرین مصلحت نہ تھا اور جیسا کہ ہم آگے دیکھیں گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی عمل کے نتیجے میں پھر مصر میں نہ ٹھہر سکے اور مدین چلے گئے۔

پھر قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے اس نے کہا: ''پروردگارا میں نے اپنے اوپر ظلم کیا تو مجھے معاف کردے، اور خدا نے اسے بخش دیا کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے''۔[2]

یقیناً حضرت موسیٰ علیہ السلام اس معاملے میں کسی گناہ کے مرتکب نہیں ہوئے بلکہ حقیقت میں ان سے ترک اولیٰ سرزد ہوا کیونکہ انہیں ایسی بے احتیاطی نہیں کرنی چاہئے تھی جس کے نتیجے میں وہ زحمت میں مبتلا ہوں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی ترک اولیٰ کے لئے خدا سے طلب عفو کیا اور خدا نے بھی انہیں اپنے لطف وعنایت سے بہرہ مند کیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ''خداوندا تیرے اس احسان کے شکرانے میں کہ تو نے میرے قصور کو معاف کردیا اور دشمنوں کے پنجے میں گرفتار نہ کیا اور ان تمام نعمتوں کے شکریہ میں جو مجھے ابتداء سے اب تک مرحمت کرتا رہا، میں عہد کرتا ہوں کہ ہرگز مجرموں کی مدد نہ کروں گا اور ظالموں کا طرف دار نہ ہوں گا''۔[3]

بلکہ ہمیشہ مظلومین اور ستم دیدہ لوگوں کا مددگار رہوں گا۔[4]

مفسرین نے، اس قبطی اور بنی اسرائیل کی باہمی نزاع اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے مرد قبطی کے مارے جانے کے بارے میں بڑی طویل بحثیں کی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کی مخفیانہ مدین کی طرف روانگی

فرعونیوں میں سے ایک آدمی کے قتل کی خبر شہر میں بڑی تیزی سے پھیل گئی قرائن سے شاید لوگ یہ سمجھ گئے تھے کہ اس کا قاتل ایک بنی اسرائیل ہے اور شاید اس سلسلے میں لوگ موسیٰ علیہ السلام کا نام بھی لیتے تھے۔

البتہ یہ قتل کوئی معمولی بات نہ تھی اسے انقلاب کی ایک چنگاری یا اس کا مقدمہ شمار کیا جاتا تھا اور درحقیقت یہ معاملہ کوئی اہم اور بحث طلب تھا ہی نہیں کیونکہ ستم پسند وابستگان فرعون نہایت بے رحم اور مفسد تھے انہوں نے بنی اسرائیل کے ہزاروں بچوں کے سر قلم کیے اور بنی اسرائیل پر کسی قسم کا ظلم کرنے سے بھی دریغ نہ کیا اس جہت سے یہ لوگ اس قابل نہ تھے کہ بنی اسرائیل کے لئے ان کا قتل

---

[1] سورہ قصص آیت 15
[2] سورہ قصص آیت 15
[3] سورہ قصص آیت 17
[4] کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ کام مقام عصمت کے خلاف نہیں ہے؟

احترام انسانیت کے خلاف ہو۔

البتہ مفسرین کے لئے جس چیز نے دشواریاں پیدا کی ہیں وہ اس واقعے کی وہ مختلف تعبیرات ہیں جو خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی ہیں چنانچہ وہ ایک جگہ تو یہ کہتے ہیں:

"هذا من عمل الشيطان"

''یہ شیطانی عمل ہے''۔

اور دوسری جگہ یہ فرمایا:

"رب انی ظلمت نفسی فاغفر لی"

''خدایا میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تو مجھے معاف فرمادے''۔

جناب موسیٰ علیہ السلام کی یہ دونوں تعبیرات اس مسلمہ حقیقت سے کیونکر مطابقت رکھتی ہیں کہ:

''عصمت انبیاء کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء ماقبل بعثت اور مابعد عطائے رسالت ہر دو حالات میں معصوم ہوتے ہیں''۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس عمل کی جو توضیح ہم نے آیات فوق کی روشنی میں پیش کی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کچھ سرزد ہوا وہ ترک اولیٰ سے زیادہ نہ تھا انھوں نے اس عمل سے اپنے آپ کو زحمت میں مبتلا کرلیا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ایک قبطی کا قتل ایسی بات نہ تھی کہ وابستگان فرعون اسے آسانی سے برداشت کر لیتے۔

نیز ہم جانتے ہیں کہ ''ترک اولیٰ'' کے معنی ایسا کام کرنا ہے جو بذات خود حرام نہیں ہے۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ''عمل احسن'' ترک ہوگیا بغیر اس کے کہ کوئی عمل خلاف حکم الٰہی سرزد ہوا ہو؟

حکومت کی مشینری اسے ایک معمولی واقعہ سمجھ کر چھوڑنے والی نہ تھی کہ بنی اسرائیل کے غلام اپنے آقاؤں کی جان لینے کا ارادہ کرنے لگیں۔

لہٰذا ہم قرآن میں یہ پڑھتے ہیں کہ ''اس واقعے کے بعد موسیٰ علیہ السلام شہر میں ڈر رہے تھے اور ہر لحظہ انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا اور وہ نئی خبروں کی جستجو میں تھے''۔ [1]

ناگہاں انہیں ایک معاملہ پیش آیا آپ نے دیکھا کہ وہی بنی اسرائیلی جس نے گزشتہ روز ان سے مدد طلب کی تھی انہیں پھر پکار رہا تھا اور مدد طلب کر رہا تھا (وہ ایک اور قبطی سے لڑ رہا تھا)۔

''لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ تو آشکارا طور پر ایک جاہل اور گمراہ شخص ہے''۔ [2]

تو ہر روز کسی نہ کسی سے جھگڑ پڑتا ہے اور اپنے لئے مصیبت پیدا کر لیتا ہے اور ایسے کام شروع کر دیتا ہے جن کا ابھی موقع ہی نہیں تھا کل جو کچھ گزری ہے میں تو ابھی اس کے عواقب کا انتظار کر رہا ہوں اور تو نے وہی کام از سرنو شروع کر دیا ہے۔

بہر حال وہ ایک مظلوم تھا جو ایک ظالم کے پنجے میں پھنسا ہوا تھا (خواہ ابتدا میں اس سے کچھ قصور ہوا ہو یا نہ ہوا ہو) اس لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ اس کی مدد کریں اور اسے اس قبطی کے رحم و کرم پر نہ چھوڑ دیں لیکن جیسے ہی حضرت

---

[1] سورہ قصص آیت 15

[2] سورہ قصص آیت 16

موسیٰ علیہ السلام نے یہ ارادہ کیا کہ اس قبطی آدمی کو (جوان دونوں کا دشمن تھا) پکڑ کر اس بنی اسرائیل سے جدا کریں وہ قبطی چلایا، اس نے کہا:
''اے موسیٰ! کیا تو مجھے بھی اسی طرح قتل کرنا چاہتا ہے جس طرح تو نے کل ایک شخص کو قتل کیا تھا''۔[1] ''تیری حرکات سے تو ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ تو زمین پر ایک ظالم بن کر رہے گا اور یہ نہیں چاہتا کہ مصلحین میں سے ہو''۔[2]

اس جملے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے محل اور اس کے باہر ہر دو جگہ اپنے مصلحانہ خیالات کا اظہار شروع کر دیا تھا بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع پر ان کے فرعون سے اختلافات بھی پیدا ہو گئے تھے اسی لئے تو اس قبطی آدمی نے یہ کہا:

یہ کیسی اصلاح طلبی ہے کہ تو ہر روز ایک آدمی کو قتل کرتا ہے؟

حالانکہ اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ ارادہ ہوتا کہ اس ظالم کو بھی قتل کر دیں تو یہ بھی راہ اصلاح میں ایک قدم ہوتا۔

بہرکیف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ احساس ہوا کہ گزشتہ روز کا واقعہ طشت از بام ہو گیا ہے اور اس خوف سے کہ اور زیادہ مشکلات پیدا نہ ہوں، انھوں نے اس معاملے میں دخل نہ دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے سزائے موت

اس واقعے کی فرعون اور اس کے اہل دربار کو اطلاع پہنچ گئی انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس عمل کے مکرر سرزد ہونے کو اپنی شان سلطنت کے لئے ایک تہدید سمجھا۔ وہ باہم مشورے کے لئے جمع ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم صادر کر دیا۔

(جہاں فرعون اور اس کے اہل خانہ رہتے تھے) وہاں سے ایک شخص تیزی کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں مطلع کیا کہ آپ کو قتل کرنے کا مشورہ ہو رہا ہے، آپ فوراً شہر سے نکل جائیں، میں آپ کا خیر خواہ ہوں۔[3]

یہ آدمی بظاہر وہی تھا جو بعد میں ''مومن آل فرعون'' کے نام سے مشہور ہوا، کہا جاتا ہے کہ اس کا نام حزقیل تھا وہ فرعون کے قریبی رشتہ داروں میں سے تھا اور ان لوگوں سے اس کے ایسے قریبی روابط تھے کہ ایسے مشوروں میں شریک ہوتا تھا۔

اسے فرعون کے جرائم اور اس کی کرتوتوں سے بڑا دکھ ہوتا تھا اور اس انتظار میں تھا کہ کوئی شخص اس کے خلاف بغاوت کرے اور وہ اس کار خیر میں شریک ہو جائے۔

بظاہر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ آس لگائے ہوئے تھا اور ان کی پیشانی میں من جانب اللہ ایک انقلابی ہستی کی علامات دیکھ رہا تھا اسی وجہ سے جیسے ہی اسے یہ احساس ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام خطرے میں ہیں، نہایت سرعت سے ان کے پاس پہنچا اور انہیں خطرے سے بچا لیا۔

ہم بعد میں دیکھیں گے کہ وہ شخص صرف اسی واقعے میں نہیں، بلکہ دیگر خطرناک مواقع پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے با اعتماد اور ہمدرد ثابت ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس خبر کو قطعی درست سمجھا اور اس ایماندار آدمی کی خیر خواہی کو بہ نگاہ قدر دیکھا اور اس کی نصیحت کے مطابق شہر سے نکل گئے۔ ''اس وقت آپ خوف زدہ تھے اور ہر گھڑی انہیں کسی حادثے کا کھٹکا تھا''۔[4]

---

[1] سورہ قصص آیت 19
[2] سورہ قصص آیت 19
[3] سورہ قصص آیت 19
[4] سورہ قصص آیت 21

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہایت خضوع قلب کے ساتھ متوجہ الی اللہ ہوکر اس بلا کو ٹالنے کے لئے اس کے لطف وکرم کی درخواست کی: ''اے میرے پروردگار: تو مجھے اس ظالم قوم سے رہائی بخش''۔[۱]

میں جانتا ہوں کہ وہ ظالم اور بے رحم ہیں میں تو مظلوموں کی مدافعت کررہا تھا اور ظالموں سے میرا کچھ تعلق نہ تھا اور جس طرح سے میں نے اپنی توانائی کے مطابق مظلوموں سے ظالموں کے شر کو دور کیا ہے تو بھی اے خدائے بزرگ ظالموں کے شر کو مجھ سے دور رکھ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پختہ ارادہ کرلیا کہ وہ شہر مدین کو چلے جائیں یہ شہر شام کے جنوب اور حجاز کے شمال میں تھا اور قلم رو مصر اور فراعنہ کی حکومت میں شامل نہ تھا۔

مدین کہاں تھا؟

''مدین'' ایک شہر کا نام تھا جس میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کا قبیلہ رہتا تھا یہ شہر خلیج عقبہ کے مشرق میں تھا (یعنی حجاز کے شمال اور شامات کے جنوب میں) وہاں کے باشندے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے تھے وہ مصر، لبنان اور فلسطین سے تجارت کرتے تھے آج کل اس شہر کا نام معان ہے۔[۲]

نقشے کو غور سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شہر کا مصر سے کچھ زیادہ فاصلہ نہیں ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام چند روز میں وہاں پہنچ گئے۔

ملک اردن کے جغرافیائی نقشہ میں، جنوب غربی شہروں میں سے ایک شہر ''معان'' نام کا ملتا ہے، جس کا محل وقوع ہمارے مذکورہ بالا بیان کے مطابق ہے۔

لیکن وہ جوان جو محل کے اندر ناز ونعم میں پلا تھا ایک ایسے سفر پر روانہ ہورہا تھا جیسا کہ سفر اسے کبھی زندگی بھر پیش نہ آیا تھا۔

اس کے پاس نہ زادراہ تھا، نہ توشہ سفر، نہ کوئی سواری، نہ رفیق راہ اور نہ کوئی راستہ بتانے والا، ہردم یہ خطرہ لاحق تھا۔

کہ حکومت کے اہلکار اس تک پہنچ جائیں اور پکڑ کے قتل کردیں اس حالت میں ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کیا حال ہوگا۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ مقدر ہوچکا تھا کہ وہ سختی اور شدت کے دنوں کو پیچھے چھوڑ دیں اور قصر فرعون انہیں جس جال میں پھنسانا چاہتا تھا۔

اسے توڑ کر باہر نکل آئیں اور وہ کمزور اور ستم دیدہ لوگوں کے پاس رہیں ان کے درد وغم کا بہ شدت احساس کریں اور مستکبرین کے خلاف ان کی منفعت کے لئے بحکم الٰہی قیام فرمائیں۔

بعض اہل تحقیق نے اس شہر کی وجہ تسمیہ بھی لکھی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک بیٹا جس کا نام ''مدین'' تھا اس شہر میں رہتا تھا۔

اس طویل، بے زادوراہ اور بے رفیق ورہنما سفر میں ایک عظیم سرمایہ ان کے پاس تھا اور وہ تھا ایمان اور توکل برخدا۔

---

[۱] سورہ قصص آیت 21

[۲] بعض لوگ کلمہ ''مدین'' کا اطلاق اس قوم پر کرتے ہیں جو خلیج عقبہ سے کوہ سینا تک سکونت پذیر تھی توریت میں بھی اس قوم کو ''مدیان'' کہا گیا ہے۔

''لہٰذا جب وہ مدین کی طرف چلے تو کہا: خدا سے امید ہے کہ وہ مجھے راہ راست کی طرف ہدایت کرے گا''۔[1]

ایک نیک عمل نے موسیٰ علیہ السلام پر بھلائیوں کے دروازے کھول دیئے

اس مقام پر ہم اس سرگزشت کے پانچوں حصے پر پہنچ گئے ہیں اور وہ موقع یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام شہر مدین میں پہنچ گئے ہیں۔

یہ جوان پاکباز انسان کئی روز تک تنہا چلتا رہا یہ راستہ وہ تھا جو نہ کبھی اس نے دیکھا تھا نہ اسے طے کیا تھا بعض لوگوں کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام مجبور تھے کہ پابرہنہ راستہ طے کریں، بیان کیا گیا ہے کہ مسلسل آٹھ روز تک چلتے رہے یہاں تک کہ چلتے چلتے ان کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔

جب بھوک لگتی تھی تو جنگل کی گھاس اور درختوں کے پتے کھا لیتے تھے ان تمام مشکلات اور زحمات میں صرف ایک خیال سے ان کے دل کو راحت رہتی تھی کہ انہیں افق میں شہر مدین کا منظر نظر آنے لگا ان کے دل میں آسودگی کی ایک لہر اٹھنے لگی وہ شہر کے قریب پہنچے انہوں نے لوگوں کا ایک انبوہ دیکھا وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ لوگ چرواہے ہیں کہ جو کنویں کے پاس اپنی بھیڑوں کو پانی پلانے آئے ہیں۔

''جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کے قریب آئے تو انھوں نے وہاں بہت سے آمیوں کو دیکھا جو کنویں سے پانی بھر کے اپنے چوپایوں کو پلا رہے تھے، انھوں نے اس کنویں کے پاس دو عورتوں کو دیکھا کہ وہ اپنی بھیڑوں کو لئے کھڑی تھیں مگر کنویں کے قریب نہیں آتی تھیں''۔[2]

ان باعفت لڑکیوں کی حالت قابل رحم تھی جو ایک گوشے میں کھڑی تھیں اور کوئی آدمی بھی ان کے ساتھ انصاف نہیں کرتا تھا چرواہے صرف اپنی بھیڑوں کی فکر میں تھے اور کسی اور کو موقع نہیں دیتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں کی یہ حالت دیکھی تو ان کے نزدیک آئے اور پوچھا: ''تم یہاں کیسے کھڑی ہو''۔[3]

تم آگے کیوں نہیں بڑھتیں اور اپنی بھیڑوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ حق کشی، ظلم وستم، بے عدالتی اور مظلوموں کے حقوق کی عدم پاسداری جو انھوں نے شہر مدین میں دیکھی، قابل برداشت نہ تھی۔

مظلوموں کو ظالم سے بچانا ان کی فطرت تھی اسی وجہ سے انھوں نے فرعون کے محل اور اس کی نعمتوں کو ٹھکرا دیا تھا اور وطن سے بے وطن ہو گئے تھے وہ اپنی اس روش حیات کو ترک نہیں کر سکتے تھے اور ظلم کو دیکھ کر خاموش نہیں رہ سکتے تھے

لڑکیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جواب میں کہا: ''ہم اس وقت تک اپنی بھیڑوں کو پانی نہیں پلا سکتے، جب تک تمام چرواہے اپنے حیوانات کو پانی پلا کر نکل نہ جائیں''۔[4]

ان لڑکیوں نے اس بات کی وضاحت کے لئے کہ ان باعفت لڑکیوں کے باپ نے انہیں تنہا اس کام کے لئے کیوں بھیج دیا

---

[1] سورہ قصص آیت 22
[2] سورہ قصص آیت 23
[3] سورہ قصص آیت 23
[4] سورہ قصص آیت 24

ہے یہ بھی اضافہ کیا کہ ہمارا باپ نہایت ضعیف العمر ہے۔

نہ تو اس میں اتنی طاقت ہے کہ بھیڑوں کو پانی پلا سکے اور نہ ہمارا کوئی بھائی ہے جو یہ کام کر لے اس خیال سے کہ کسی پر بار نہ ہوں ہم خود ہی یہ کام کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ باتیں سن کر بہت کوفت ہوئی اور دل میں کہا کہ یہ کیسے بے انصاف لوگ ہیں کہ انہیں صرف اپنی فکر ہے اور کسی مظلوم کی ذرا بھی پرواہ نہیں کرتے۔

''وہ آگے آئے، بھاری ڈول اٹھایا اور اسے کنوئیں میں ڈالا، کہتے ہیں کہ وہ ڈول اتنا بڑا تھا کہ چند آدمی مل کر اسے کھینچ سکتے تھے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے قوی بازوؤں سے اسے اکیلے ہی کھینچ لیا اور ان دونوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا''۔ [1]

بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کنویں کے قریب آئے اور لوگوں کو ایک طرف کیا تو ان سے کہا: ''تم کیسے لوگ ہو کہ اپنے سوا کسی اور کی پرواہ ہی نہیں کرتے''۔

یہ سن کر لوگ ایک طرف ہٹ گئے اور ڈول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے کر کے بولے:

''لیجئے، بسم اللہ، اگر آپ پانی کھینچ سکتے ہیں، انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تنہا چھوڑ دیا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت اگرچہ تھکے ہوئے تھے، اور انہیں بھوک لگ رہی تھی مگر قوت ایمانی ان کی مددگار ہوئی، جس نے ان کی جسمانی قوت میں اضافہ کر دیا اور کنویں سے ایک ہی ڈول کھینچ کر ان دنوں عورتوں کی بھیڑوں کو پانی پلا دیا''۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام سائے میں آبیٹھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض کرنے لگے: ''خداوندا تو مجھے جو بھی خیر اور نیکی بخشے، میں اس کا محتاج ہوں''۔ [2]

حضرت موسیٰ علیہ السلام (اس وقت) تھکے ہوئے اور بھوکے تھے اس شہر میں اجنبی اور تنہا تھے اور ان کے لیے کوئی سر چھپانے کی جگہ بھی نہ تھی مگر پھر بھی وہ بے قرار نہ تھے آپ کا نفس ایسا مطمئن تھا کہ دعا کے وقت بھی یہ نہیں کہا کہ ''خدایا تو میرے لیے ایسا یا ویسا کر'' بلکہ یہ کہا کہ: ''تو جو خیر بھی مجھے بخشے میں اس کا محتاج ہوں''۔

یعنی صرف اپنی احتیاج اور نیاز کو عرض کرتے ہیں اور باقی امور الطاف خداوندی پر چھوڑ دیتے ہیں۔

لیکن دیکھو کہ کار خیر کیا قدرت نمائی کرتا ہے اور اس میں کتنی عجیب برکات ہیں صرف ''لوجہ اللہ'' ایک قدم اٹھانے اور ایک نا آشنا مظلوم کی حمایت میں کنویں سے پانی کے ایک ڈول کھینچنے سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک نیا باب کھل گیا اور یہ عمل خیر ان کے لیے برکات مادی اور روحانی دنیا بطور تحفہ لایا اور وہ ناپید انعمت (جس کے حصول کے لئے انہیں برسوں کوشش کرنا پڑتی) اللہ نے انہیں بخش دی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے خوش نصیبی کا دور اس وقت شروع ہوا جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ان دونوں بہنوں میں سے ایک نہایت حیا سے قدم اٹھاتی ہوئی آرہی ہے اس کی وضع سے ظاہر تھا کہ اسکو ایک جوان سے باتیں کرتے ہوئے شرم آتی ہے وہ لڑکی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قریب آئی اور صرف ایک جملہ کہا: ''میرے والد صاحب آپ کو بلاتے ہیں تاکہ آپ نے ہماری بکریوں کے لئے کنویں سے جو پانی کھینچا تھا، اس کا معاوضہ دیں''۔ [3]

---

[1] سورہ قصص آیت 24

[2] سورہ قصص آیت 24

[3] سورہ قصص آیت 25

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں امید کی بجلی چمکی گویا انہیں یہ احساس ہوا کہ ان کے لئے ایک عظیم خوش نصیبی کے اسباب فراہم ہور ہے ہیں وہ ایک بزرگ انسان سے ملیں گے وہ ایک ایسا حق شناس انسان معلوم ہوتا ہے جو یہ بات پسند نہیں کرتا کہ انسان کی کسی زحمت کا، یہاں تک کہ پانی کے ایک ڈول کھینچنے کا بھی معاوضہ نہ دے یہ ضرور کوئی ملکوتی اور الٰہی انسان ہوگا یا اللہ یہ کیسا عجیب اور نادر موقع ہے؟

بیشک وہ پیرمرد حضرت شعیب علیہ السلام پیغمبر تھے انہوں نے برسوں تک اس شہر کے لوگوں کو''رجوع الی اللہ'' کی دعوت دی تھی وہ حق پرستی اور حق شناسی کا نمونہ تھے۔

جب انہیں کل واقعے کا علم ہوا تو انھوں نے تہیہ کرلیا کہ اس اجنبی جوان کو اپنے دین کی تبلیغ کریں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے گھر میں

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس جگہ سے حضرت شعیب علیہ السلام کے مکان کی طرف روانہ ہوئے۔

بعض روایات کے مطابق وہ لڑکی رہنمائی کے لئے ان کے آگے آگے چل رہی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے چل رہے تھے اس وقت تیز ہوا سے اس لڑکی کا لباس اڑ رہا تھا اور ممکن تھا کہ ہوا کی تیزی لباس کو اس کے جسم سے اٹھا دے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پاکیزہ طبیعت اس منظر کو دیکھنے کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لڑکی سے کہا: میں آگے آگے چلتا ہوں، تم راستہ بتاتے رہنا۔

جب جناب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر پہنچ گئے ایسا گھر جس سے نور نبوت ساطع تھا اور اس کے ہر گوشے سے روحانیت نمایاں تھی انھوں نے دیکھا کہ ایک پیرمرد، جس کے بال سفید ہیں ایک گوشے میں بیٹھا ہے اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خوش آمدید کہا اور پوچھا:''تم کون ہو؟ کہاں سے آرہے ہو؟ کیا مشغلہ ہے؟ اس شہر میں کیا کرتے ہو؟ اور آنے کا مقصد کیا ہے؟ تنہا کیوں ہو؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچے اور انہیں اپنی سرگزشت سنائی تو حضرت شعیب علیہ السلام نے کہا مت ڈرو، تمہیں ظالموں کے گروہ سے نجات مل گئی ہے۔''[1]

ہماری سرزمین ان کی حدود سلطنت سے باہر ہے یہاں ان کا کوئی اختیار نہیں چلتا اپنے دل میں ذرہ بھر پریشانی کو جگہ نہ دینا تم امن وامان سے پہنچ گئے ہو مسافرت اور تنہائی کا بھی غم نہ کرو یہ تمام مشکلات خدا کے کرم سے دور ہوجائیں گی۔ حضرت موسی علیہ السلام فوراً سمجھ گئے کہ انہیں ایک عالی مرتبہ استاد مل گیا ہے، جس کے وجود سے روحانیت، تقویٰ، معرفت اور زلال عظیم کے چشمے پھوٹ رہے ہیں اور یہ استاد ان کی تشنگی تحصیل علم ومعرفت کو سیراب کرسکتا ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی یہ سمجھ لیا کہ انہیں ایک لائق اور مستعد شاگرد مل گیا ہے، جسے وہ اپنے علم ودانش اور زندگی بھر کے تجربات سے فیض یاب کرسکتے ہیں

یہ مسلم ہے کہ ایک شاگرد کو ایک بزرگ اور قابل استاد پاکر جتنی مسرت ہوتی ہے استاد کو بھی ایک لائق شاگرد پاکر اتنی ہی خوشی ہوتی ہے۔

جناب موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے داماد بن گئے

---

[1] سورہ قصص آیت 25

اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے چھٹے دور کا ذکر شروع ہوتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب شعیب علیہ السلام کے گھر آ گئے یہ ایک سادہ سا دیہاتی مکان تھا، مکان صاف ستھرا تھا اور روحانیت سے معمور تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جناب شعیب علیہ السلام کو اپنی سرگزشت سنائی تو ان کی ایک لڑکی نے ایک مختصر مگر پر معنی عبارت میں اپنے والد کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھیڑوں کی حفاظت کے لئے ملازم رکھ لیں وہ الفاظ یہ تھے:

''اے بابا: آپ اس جوان کو ملازم رکھ لیں کیونکہ ایک بہترین آدمی جسے آپ ملازم رکھ سکتے ہیں وہ ایسا ہونا چاہئے جو قوی اور امین ہو اور اس نے اپنی طاقت اور نیک خصلت دونوں کا امتحان دے دیا ہے''۔[1]

جس لڑکی نے ایک پیغمبر کے زیر سایہ تربیت پائی ہو اسے ایسی ہی مؤدبانہ اور سوچی سمجھی بات کہنی چاہئے نیز چاہئے کہ مختصر الفاظ اور تھوڑی سی عبارت میں اپنا مطلب ادا کر دے۔

اس لڑکی کو کیسے معلوم تھا کہ یہ جوان طاقتور بھی ہے اور نیک خصلت بھی کیونکہ اس نے پہلی بار کنویں پر ہی اسے دیکھا تھا اور اس کی گزشتہ زندگی کے حالات سے وہ بے خبر تھی؟

اس سوال کا جواب واضح ہے اس لڑکی نے اس جوان کی قوت کو تو اسی وقت سمجھ لیا تھا جب اس نے ان مظلوم لڑکیوں کا حق دلانے کے لئے چرواہوں کو کنویں سے ایک طرف ہٹایا تھا اور اس بھاری ڈول کو اکیلے ہی کنویں سے کھینچ لیا تھا اور اس کی امانت اور نیک چلنی اس وقت معلوم ہو گئی تھی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کی راہ میں اس نے یہ گوارا نہ کیا کہ ایک جوان لڑکی اس کے آگے آگے چلے کیونکہ ممکن تھا کہ تیز ہوا سے اس کا لباس جسم سے ہٹ جائے۔

علاوہ بریں اس نوجوان نے اپنی جو سرگزشت سنائی تھی اس کے ضمن میں قبطیوں سے لڑائی کے ذکر میں اس کی قوت کا حال معلوم ہو گیا تھا اور اس امانت و دیانت کی یہ شہادت کافی تھی کہ اس نے ظالموں کی ہم نوائی نہ کی اور ان کی ستم رانی پر اظہار رضامندی نہ کیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کی تجویز کو قبول کر لیا انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف رخ کر کے یوں کہا: ''میرا ارادہ ہے کہ اپنی ان دو لڑکیوں میں سے ایک کا تیرے ساتھ نکاح کر دوں، اس شرط کے ساتھ کہ تو آٹھ سال تک میری خدمت کرے''۔[2]

اس کے بعد یہ اضافہ کیا: ''اگر تو آٹھ سال کی بجائے یہ خدمت دس سال کر دے تو یہ تیرا احسان ہوگا مگر تجھ پر واجب نہیں ہے''۔[3]

بہر حال میں یہ نہیں چاہتا کہ تم سے کوئی مشکل کام لوں انشاء اللہ تم جلد دیکھو گے کہ میں صالحین میں سے ہوں، اپنے عہد و پیمان میں وفادار ہوں تیرے ساتھ ہرگز سخت گیری نہ کروں گا اور تیرے ساتھ خیر اور نیکی کا سلوک کروں گا۔[4]

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس تجویز اور شرط سے موافقت کرتے ہوئے اور عقد کو قبول کرتے ہوئے کہا: ''میرے اور آپ کے درمیان یہ عہد ہے''۔ البتہ ''ان دو مدتوں میں سے (آٹھ سال یا دس سال) جس مدت تک بھی خدمت کروں، مجھ پر کوئی زیادتی نہ ہوگی

---

[1] سورہ قصص آیت 26

[2] سورہ قصص آیت 27

[3] سورہ قصص آیت 27

[4] سورہ قصص آیت 27

اور میں اس کے انتخاب میں آزاد ہوں"۔[1]

عہد کو پختہ اور خدا کے نام سے طلب مدد کے لئے یہ اضافہ کیا: "جو کچھ ہم کہتے ہیں خدا اس پر شاہد ہے"۔[2]

اور اس آسانی سے موسیٰ علیہ السلام داماد شعیب علیہ السلام بن گئے حضرت شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کا نام "صفورہ" (یا صفوراً) اور "لیا" بتایا جاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شادی "صفورہ" سے ہوئی تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین ایام

کوئی آدمی بھی حقیقتاً یہ نہیں جانتا کہ ان دس سال میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر کیا گزری لیکن بلا شک یہ دس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے بہترین سال تھے یہ سال دلچسپ، شیریں اور آرام بخش تھے نیز یہ دس سال ایک منصب عظیم کی ذمہ داری کے لئے تربیت اور تیاری کے تھے۔

درحقیقت اس کی ضرورت بھی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام دس سال کا عرصہ عالم مسافرت اور ایک بزرگ پیغمبر کی صحبت میں بسر کریں اور چرواہے کا کام کریں تاکہ ان کے دل و دماغ سے محلوں کی ناز پروردہ زندگی کا اثر بالکل محو ہو جائے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا عرصہ جھونپڑیوں میں رہنے والوں کے ساتھ گزارنا ضروری تھا تاکہ ان کی تکالیف اور مشکلات سے آگاہ ہو جائے اور ساکنان محلول کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے آمادہ ہو جائیں۔

ایک اور بات یہ بھی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسرار آفرینش میں غور کرنے اور اپنی شخصیت کی تکمیل کے لئے بھی ایک طویل وقت کی ضرورت تھی اس مقصد کے لئے بیابان مدین اور خانہ شعیب سے بہتر اور کونسی جگہ ہو سکتی تھی۔

ایک اولوالعزم پیغمبر کی بعثت کوئی معمولی بات نہیں ہے کہ یہ مقام کسی کو نہایت آسانی سے نصیب ہو جائے بلکہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام پیغمبروں میں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ذمہ داری ایک لحاظ سے سب سے زیادہ اہم تھی اس لئے کہ: روئے زمین کے ظالم ترین لوگوں سے مقابلہ کرنا، ایک کثیر الافراد قوم کی مدت اسیری کو ختم کرنا اور ان کے اندر سے ایام اسیری میں پیدا ہو جانے والے نقائص کو محو کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی مخلصانہ خدمات کی قدر شناسی کے طور پر یہ طے کر لیا تھا کہ بھیڑوں کے جو بچے ایک خاص علامت کے ساتھ پیدا ہوں گے، وہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدیں گے، اتفاقاً مدت موعود کے آخری سال میں جبکہ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے رخصت ہو کر مصر کو جانا چاہتے تھے تو تمام یا زیادہ تر بچے اسی علامت کے پیدا ہوئے اور حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی انہیں بڑی محبت سے موسیٰ علیہ السلام کو دے دیا۔

یہ امر بدیہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی ساری زندگی چرواہے بنے رہنے پر قناعت نہیں کر سکتے تھے ہر چند ان کے لئے حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہنا بہت ہی غنیمت تھا مگر وہ اپنا یہ فرض سمجھتے تھے کہ اپنی اس قوم کی مدد کے لئے جائیں جو غلامی کی زنجیروں میں گرفتار ہے اور جہالت نادانی اور بے خبری میں غرق ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنا یہ فرض بھی سمجھتے تھے کہ مصر میں جو ظلم کا بازار گرم ہے اسے سرد کریں، طاغوتوں کو ذلیل کریں اور توفیق

---

[1] سورہ قصص آیت 28

[2] سورہ قصص آیت 28

الٰہی سے مظلوموں کو عزت بخشیں ان کے قلب میں یہی احساس تھا جو انہیں مصر جانے پر آمادہ کر رہا تھا۔

آخر کار انھوں نے اپنے اہل خانہ، سامان واسباب اور اپنی بھیڑوں کو ساتھ لیا اور اس وقت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ان کی زوجہ کے علاوہ ان کا لڑکا یا کوئی اور اولاد بھی تھی، اسلامی روایات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے توریت کے ''سفر خروج'' میں بھی ذکر مفصل موجود ہے علاوہ ازیں اس وقت ان کی زوجہ امید سے تھی۔

وحی کی تابش اول

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر کو جا رہے تھے تو راستہ بھول گئے یا غالباً شام کے ڈاکوؤں کے ہاتھ میں گرفتار ہو جانے کے خوف سے بوجہ احتیاط رائج راستے کو چھوڑ کے سفر کر رہے تھے۔

بہر کیف قرآن شریف میں یہ بیان اس طور سے ہے کہ: ''جب موسیٰ علیہ السلام اپنی مدت کو ختم کر چکے اور اپنے خاندان کو ساتھ لے کر سفر پر روانہ ہو گئے تو انہیں طور کی جانب سے شعلہ آتش نظر آیا''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہل خاندان سے کہا: ''تم یہیں ٹھہرو! مجھے آگ نظر آئی ہے میں جاتا ہوں شاید تمہارے لئے وہاں سے کوئی خبر لاؤں یا آگ کا ایک انگارا لے آؤں تاکہ تم اس سے گرم ہو جاؤ''۔ [۱]

''خبر لاؤں'' سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ راستہ بھول گئے تھے اور ''گرم ہو جاؤ'' یہ اشارہ کر رہا ہے کہ سرد اور تکلیف دہ رات تھی۔

قرآن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زوجہ کی حالت کا کوئی ذکر نہیں ہے مگر تفاسیر اور روایات میں مذکور ہے کہ وہ امید سے تھیں اور انہیں دردِ زہ ہو رہا تھا اس لئے موسیٰ علیہ السلام پریشان تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت آگ کی تلاش میں نکلے تو انھوں نے دیکھا کہ آگ تو ہے مگر معمول جیسی آگ نہیں ہے، بلکہ حرارت اور سوزش سے خالی ہے وہ نور اور تابندگی کا ایک ٹکڑا معلوم ہوتی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس منظر سے نہایت حیران تھے کہ ناگہاں اس بلند و پُر برکت سرزمین میں وادی کے داھنی جانب سے ایک درخت میں سے آواز آئی: ''اے موسیٰ میں اللہ رب العالمین ہوں''۔ [۲]

اس میں شک نہیں کہ یہ خدا کے اختیار میں ہے کہ جس چیز میں چاہے قوت کلام پیدا کر دے یہاں اللہ نے درخت میں یہ استعداد پیدا کر دی کیونکہ اللہ موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کرنا چاہتا تھا ظاہر ہے کہ موسیٰ علیہ السلام گوشت پوست کے انسان تھے، کان رکھتے تھے اور سننے کے لئے انہیں امواج صوت کی ضرورت تھی البتہ انبیاء علیہم السلام پر اکثر یہ حالت بھی گزری ہے کہ وہ بطور الہام درونی پیغام الٰہی کو حاصل کرتے رہے ہیں، اسی طرح کبھی انہیں خواب میں بھی ہدایت ہوتی رہی ہے مگر کبھی وہ وحی کو بصورت صدا بھی سنتے رہے ہیں، بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آواز سنی اس سے ہم ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے کہ خدا جسم رکھتا ہے۔

اے موسیٰ جوتی اتار دو

موسیٰ علیہ السلام جب آگ کے پاس گئے اور غور کیا تو دیکھا کہ درخت کی سبز شاخوں میں آگ چمک رہی ہے اور لحظہ بہ لحظہ اس کی

---

[۱] سورہ قصص آیت 29

[۲] سورہ قصص آیت 30

تابش اور درخشندگی بڑھتی جاتی ہے جو عصا ان کے ہاتھ میں تھا اس کے سہارے جھکے تا کہ اس میں سے تھوڑی سی آگ لے لیں تو آگ موسیٰ علیہ السلام کی طرف بڑھی موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے اس وقت حالت یہ تھی کہ کبھی موسیٰ علیہ السلام آگ کی طرف بڑھتے تھے اور کبھی آگ ان کی طرف، اسی کشمکش میں ناگہاں ایک صدا بلند ہوئی، اور انہیں وحی کی بشارت دی گئی۔

اس طرح ناقابل انکار قرائن سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ یہ آواز خدا ہی کی ہے، کسی غیر کی نہیں ہے۔

''میں تیرا پروردگار ہوں، اپنے جوتے اتار دے کیونکہ تو مقدس سرزمین ''طویٰ'' میں ہے''۔[1]

موسیٰ علیہ السلام کو اس مقدس سرزمین کے احترام کا حکم دیا گیا کہ اپنے پاؤں سے جوتے اتار دے اور اس وادی میں نہایت عجز و انکساری کے ساتھ قدم رکھے حق کو سنے اور فرمان رسالت حاصل کرے۔

موسیٰ علیہ السلام نے یہ آواز کہ ''میں تیرا پروردگار ہوں'' سنی تو حیران رہ گئے اور ایک ناقابل بیان پر کیف حالت ان پر طاری ہو گئی، یہ کون ہے؟ جو مجھ سے باتیں کر رہا ہے؟ یہ میرا پروردگار ہے، کہ جس نے لفظ ''ربك'' کے ساتھ مجھے افتخار بخشا ہے تا کہ یہ میرے لئے اس بات کی نشاندہی کرے کہ میں نے آغاز بچپن سے لے کر اب تک اس کی آغوش رحمت میں پرورش پائی ہے اور ایک عظیم رسالت کے لئے تیار کیا گیا ہوں۔''

حکم ملا کہ پاؤں سے اپنا جوتا اتار دو، کیونکہ تو نے مقدس سرزمین میں قدم رکھا ہے وہ سرزمین کہ جس میں نور الٰہی جلوہ گر ہے، وہاں خدا کا پیغام سننا ہے، اور رسالت کی ذمہ داری کو قبول کرنا ہے، لہٰذا انتہائی خضوع اور انکساری کے ساتھ اس سرزمین میں قدم رکھو، یہ ہے دلیل پاؤں سے جوتا اتارنے کی۔

ایک حدیث میں امام صادق علیہ السلام سے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کے اس واقعہ سے متعلق ایک عمدہ مطلب نقل ہوا ہے، آپ فرماتے ہیں: جن چیزوں کی تمہیں امید نہیں ہے ان کی ان چیزوں سے بھی زیادہ امید رکھو کہ جن کی تمہیں امید ہے کیونکہ موسیٰ بن عمران ایک چنگاری لینے کے لئے گئے تھے لیکن عہدہ نبوت و رسالت کے ساتھ واپس پلٹے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسان کسی چیز کی امید رکھتا ہے مگر وہ اسے حاصل نہیں ہوتی لیکن بہت سی اہم ترین چیزیں جن کی اسے کوئی امید نہیں ہوتی لطف پروردگار سے اسے مل جاتی ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا

اس میں شک نہیں کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنے خدا کے ساتھ ربط ثابت کرنے کے لئے معجزے کی ضرورت ہے، ورنہ ہر شخص پیغمبری کا دعویٰ کر سکتا ہے اس بناء پر سچے انبیاء علیہم السلام کا جھوٹوں سے امتیاز معجزے کے علاوہ نہیں ہو سکتا، یہ معجزہ خود پیغمبر کی دعوت کے مطابق اور آسمانی کتاب کے اندر بھی ہو سکتا ہے اور حسی اور جسمانی قسم کے معجزات اور دوسرے امور میں بھی ہو سکتے ہیں علاوہ ازیں معجزہ خود پیغمبر کی روح پر بھی اثر انداز ہوتا ہے اور وہ اسے قوت قلب، قدرت ایمان اور استقامت بخشتا ہے۔

بہر حال حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمان نبوت ملنے کے بعد اس کی سند بھی ملنی چاہئے، لہٰذا اسی پُرخطرات میں جناب موسیٰ علیہ السلام نے دو عظیم معجزے خدا سے حاصل کئے۔

قرآن اس ماجرے کو اس طرح بیان کرتا ہے: ''خدا نے موسیٰ ؑ سے سوال کیا: اے موسیٰ یہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت 12

ہے''؟۔[1]

اس سادہ سے سوال، میں لطف ومحبت کی چاشنی تھی، فطرتاً موسیٰ علیہ السلام، کی روح میں اس وقت طوفانی لہریں موجزن تھیں ایسے میں یہ سوال اطمینان قلب کے لئے بھی تھا اور ایک عظیم حقیقت کو بیان کرنے کی تمہید بھی تھا۔''موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں کہا: یہ لکڑی میرا عصا ہے''۔[2]

اور چونکہ محبوب نے ان کے سامنے پہلی مرتبہ یوں اپنا دروازہ کھولا تھا لہٰذا وہ اپنے محبوب سے باتیں جاری رکھنا اور انہیں طول دینا چاہتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ شاید وہ یہ سوچ رہے تھے کہ میرا صرف یہ کہنا کہ یہ میرا عصا ہے، کافی نہ ہو بلکہ اس سوال کا مقصد اس عصا کے آثار وفوائد کو بیان کرنا مقصود ہو، لہٰذا مزید کہا: ''میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں، اور اس سے اپنی بھیڑوں کے لئے درختوں سے پتے جھاڑتا ہوں، اس کے علاوہ اس سے دوسرے کام بھی لیتا ہوں''۔[3]

البتہ یہ بات واضح اور ظاہر ہے کہ عصا سے کون کون سے کام لیتے ہیں کبھی اس سے موذی جانوروں اور دشمنوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک دفاعی، ہتھیار کے طور پر کام لیتے ہیں کبھی اس کے ذریعے بیابان میں سائبان بنالیتے ہیں، کبھی اس کے ساتھ برتن باندھ کر گہری نہر سے پانی نکالتے ہیں۔

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک گہرے تعجب میں تھے کہ اس عظیم بارگاہ سے یہ کس قسم کا سوال ہے اور میرے پاس اس کا کیا جواب ہے، پہلے جو فرمان دیئے ئے تھے وہ کیا تھے، اور یہ پرسش کس لئے ہے؟

موسیٰ سے کہا گیا کہ: اپنے عصا کو زمین پر ڈال دو' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو پھینک دیا اب کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عصا سانپ کی طرح تیزی سے حرکت کر رہا ہے یہ دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام ڈرے اور پیچھے ہٹ گئے یہاں تک کہ مڑ کے بھی نہ دیکھا''۔[4]

جس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ عصا لیا تھا تاکہ تھکن کے وقت اس کا سہارا لے لیا کریں، اور بھیڑوں کے لئے اس سے پتے جھاڑ لیا کریں، انہیں یہ خیال بھی نہ تھا کہ قدرت خدا سے اس میں یہ خاصیت بھی چھپی ہوئی ہوگی اور یہ بھیڑوں کو چرانے کی لاٹھی ظالموں کے محل کو ہلا دے گی۔

موجودات عالم کا یہی حال ہے کہ وہ بعض اوقات ہماری نظر میں بہت حقیر معلوم ہوتی ہیں مگر ان میں بڑی بڑی استعداد چھپی ہوتی ہے جو کسی وقت خدا کے حکم سے ظاہر ہوتی ہے۔

اب موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ آواز سنی جوان سے کہہ رہی تھی: ''واپس آ اور نہ ڈر تو امان میں ہے''۔[5]

بہرحال حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ حقیقت آشکار ہوگئی کہ درگاہ رب العزت میں مطلق امن وامان ہے اور کسی قسم کے خوف وخطر کا مقام نہیں ہے۔

---

[1] سورہ طٰہٰ آیت17

[2] سورہ طٰہٰ آیت18

[3] سورہ طٰہٰ آیت18

[4] سورہ قصص آیت31

[5] سورہ قصص آیت31

البتہ قرآن کی بعض دوسری آیات میں ''ثعبان مبین'' (واضح اژدھا) بھی کہا گیا ہے۔(اعراف107 شعراء32)

انذار و بشارت

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو معجزات عطا کئے گئے ان میں سے پہلا معجزہ خوف کی علامت پر مشتمل تھا اس کے بعد موسیٰ کو حکم دیا گیا کہ اب ایک دوسرا معجزہ حاصل کرو جو نور وامید کی علامت ہوگا اور یہ دونوں معجزہ گویا ''انذار اور بشارت'' تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ ''اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈالو اور باہر نکالو موسیٰ علیہ السلام نے جب گریبان میں سے ہاتھ باہر نکالا تو وہ سفید تھا اور چمک رہا تھا اور اس میں کوئی عیب اور نقص نہ تھا''۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں یہ سفیدی اور چمک کسی بیماری (مثلا ''برص یا کوئی اس جیسی چیز) کی وجہ سے نہ تھی بلکہ یہ نور الٰہی تھا جو بالکل ایک نئی قسم کا تھا۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سنسان کوہسار اور اس تاریک رات میں یہ دو خارق العادۃ ہم نے قبل ازیں کہا ہے کہ اس سانپ کے لئے جو یہ دو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ممکن ہے اس کی دو مختلف حالتوں کے لئے ہوں کہ ابتدا میں وہ چھوٹا سا ہو اور پھر ایک بڑا اژدھا بن گیا ہو اس مقام پر یہ احتمال بھی ہوسکتا ہے کہ موسیٰ نے جب وادی طور میں اسے پہلی بار دیکھا تو چھوٹا سا سانپ تھا، رفتہ رفتہ وہ بڑا ہو گیا۔

اور خلاف معمول چیزیں دیکھیں تو ان پر لرزہ طاری ہو گیا، چنانچہ اس لئے کہ ان کا اطمینان قلب واپس آجائے انہیں حکم دیا گیا کہ ''اپنے سینے پر اپنا ہاتھ پھریں تا کہ دل کو راحت ہو جائے''۔[2]

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی صدا سنی جو کہہ رہی تھی: ''خدا کی طرف سے تجھے یہ دو دلیلیں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے مقابلے کے لئے دی جاری ہیں کیونکہ وہ سب لوگ فاسق تھے اور ہیں''۔[3]

جی ہاں یہ لوگ خدا کی اطاعت سے نکل گئے ہیں اور سرکشی کی انتہا تک جا پہنچے ہیں تمہارا فرض ہے کہ انہیں نصیحت کرو اور راہ راست کی تبلیغ کرو اور اگر وہ تمہاری بات نہ مانیں تو ان سے جنگ کرو۔

کامیابی کے اسباب کی درخواست

موسیٰ علیہ السلام اس قسم کی سنگین ماموریت پر نہ صرف گھبرائے نہیں، بلکہ معمولی سی تخفیف کے لئے بھی خدا سے درخواست نہ کی، اور کھلے دل سے اس کا استقبال کیا، زیادہ سے زیادہ اس ماموریت کے سلسلے میں کامیابی کے وسائل کی خدا سے درخواست کی اور چونکہ کامیابی کا پلا اور ذریعہ، عظیم روح، فکر بلند اور عقل توانا ہے، اور دوسرے لفظوں میں سینہ کی کشادگی وشرح صدر ہے لہٰذا ''عرض کیا میرے پروردگار میرا سینہ کشادہ کردے''۔[4]

ہاں، ایک رہبر انقلاب کا سب سے اولین سرمایہ، کشادہ دلی، فراوان حوصلہ، استقامت وبردباری اور مشکلات کے بوجھ کو اٹھانا ہے۔

---

[1] سورہ قصص آیت 31

[2] سورہ قصص آیت 32

[3] سورہ قصص آیت 32

[4] سورہ طٰہٰ آیت 23

اور چونکہ اس راستے میں بے شمار مشکلات ہیں، جو خدا کے لطف وکرم کے بغیر حل نہیں ہوتیں، لہٰذا خدا سے دوسرا سوال یہ کیا کہ میرے کاموں کو مجھ پر آسان کردے اور مشکلات کو راستے سے ہٹادے آپ نے عرض کیا: ''میرے کام کو آسان کردے''۔[۱]

اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام نے زیادہ سے زیادہ قوت بیان کا تقاضا کیا کہنے لگے: ''میری زبان کی گرہ کھول دے''۔[۲]

یہ ٹھیک ہے کہ شرح صدر کا ہونا بہت اہم بات ہے، لیکن یہ سرمایہ اسی صورت میں کام دے سکتا ہے جب اس کو ظاہر کرنے کی قدرت بھی کامل طور پر موجود ہو، اسی بناء پر جناب موسیٰ علیہ السلام نے شرح صدر اور رکاوٹوں کے دور ہونے کی درخواستوں کے بعد یہ تقاضا کیا کہ خدا ان کی زبان کی گرہ کھول دے۔

اور خصوصیت کے ساتھ اس کی علت یہ بیان کی: ''تاکہ وہ میری باتوں کو سمجھیں''۔[۳]

یہ جملہ حقیقت میں پہلی بات کی تفسیر کررہا ہے اس سے یہ بات واضح ہورہی ہے کہ زبان کی گرہ کے کھلنے سے مراد یہ نہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی زبان میں بچپنے میں جل جانے کی وجہ سے کوئی لکنت آگئی تھی (جیسا کہ بعض مفسرین نے ابن عباس سے نقل کیا ہے) بلکہ اس سے گفتگو میں ایسی رکاوٹ ہے جو سننے والے کے لئے سمجھنے میں مانع ہوتی ہے یعنی میں ایسی فصیح وبلیغ اور ذہن میں بیٹھ جانے والی گفتگو کروں کہ ہر سننے والا میرا مقصد اچھی طرح سے سمجھ لے۔

میرا بھائی میرا ناصر و مددگار

بہرحال ایک کامیاب رہبر و رہنما وہ ہوتا ہے کہ جو سعی، فکر اور قدرت روح کے علاوہ وہ ایسی فصیح وبلیغ گفتگو کرسکے کہ جو ہر قسم کے ابہام اور نارسائی سے پاک ہو۔

نیز اس بار سنگین کے لئے۔ یعنی رسالت الٰہی، رہبری بشر اور طاغوتوں اور جابروں کے ساتھ مقابلے کے لئے یار و مددگار کی ضرورت ہے اور یہ کام تنہا انجام دینا ممکن نہیں ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پروردگار سے جو چوتھی درخواست کی:

''خداوندا میرے لئے میرے خاندان میں سے ایک وزیر اور مددگار قرار دے''۔[۴]

البتہ یہ بات کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تقاضا کررہے ہیں کہ یہ وزیر ان ہی کے خاندان سے ہو، اس کی دلیل واضح ہے چونکہ اس کے بارے میں معرفت اور شناخت بھی زیادہ ہوگی اور اس کی ہمدردیاں بھی دوسروں کی نسبت زیادہ ہوں گی کتنی اچھی بات ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کو اپنا شریک کار بنائے کہ جو روحانی اور جسمانی رشتوں کے حوالے سے اس سے مربوط ہو۔

اس کے بعد خصوصی التماس کے بعد خصوصی طور پر اپنے بھائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے عرض کیا: ''یہ ذمہ داری میرے بھائی ہارون کے سپرد کردے''۔[۵]

ہارون بعض مفسرین کے قول کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے اور ان سے تین سال بڑے تھے بلند

---

[۱] سورہ طٰہٰ آیت 27

[۲] سورہ طٰہٰ آیت 27

[۳] سورہ طٰہٰ آیت 28

[۴] سورہ طٰہٰ آیت 29

[۵] سورہ طٰہٰ آیت 31

قامت فصیح البیان اور اعلیٰ علمی قابلیت کے مالک تھے، انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات سے تین سال پہلے رحلت فرمائی۔ [1]

اور وہ نور اور باطنی روشنی کے بھی حامل تھے، اور حق و باطل میں خوب تمیز بھی رکھتے تھے۔ [2]

آخری بات یہ ہے کہ وہ ایک ایسے پیغمبر تھے جنہیں خدا نے اپنی رحمت سے موسیٰ علیہ السلام کو بخشا تھا۔ [3]

وہ اس بھاری ذمہ داری کی انجام دہی میں اپنے بھائی موسیٰ علیہ السلام کے دوش بدوش مصروف کار رہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس اندھیری رات میں، اس وادی مقدس کے اندر، جب خدا سے فرمان رسالت کے ملنے کے وقت یہ تقاضا کیا، تو وہ اس وقت دس سال سے بھی زیادہ اپنے وطن سے دور گزار کر آرہے تھے، لیکن اصولی طور پر اس عرصہ میں بھی اپنے بھائی کے ساتھ ان کا رابطہ کامل طور پر منقطع نہ ہوا سی لئے اس صراحت اور وضاحت کے ساتھ ان کے بارے میں بات کر رہے ہیں، اور خدا کی درگاہ سے اس عظیم مشن میں اس کی شرکت کے لئے تقاضا کر رہے ہیں۔

اس کے بعد جناب موسیٰ علیہ السلام ہارون کو وزارت و معاونت پر متعین کرنے کے لئے اپنے مقصد کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

''خداوندا میری پشت اس کے ذریعے مضبوط کردے''۔ [4]

اس مقصد کی تکمیل کے لئے یہ تقاضا کرتے ہیں: ''اسے میرے کام میں شریک کردے۔'' [5]

وہ مرتبہ رسالت میں بھی شریک ہو اور اس عظیم کام کو روبہ عمل لانے میں بھی شریک رہیں، البتہ حضرت ہارون ہر حال میں تمام پروگراموں میں جناب موسیٰ علیہ السلام کے پیرو تھے اور موسیٰ علیہ السلام ان کے امام و پیشوا کی حیثیت رکھتے تھے۔

آخر میں اپنی تمام درخواستوں کا نتیجہ اس طرح بیان کرتے ہیں: ''تاکہ ہم تیری بہت بہت تسبیح کریں اور تجھے بہت بہت یاد کریں، کیونکہ تو ہمیشہ ہی ہمارے حالات سے آگاہ رہا ہے۔'' [6]

تو ہماری ضروریات و حاجات کو اچھی طرح جانتا ہے اور اس راستہ کی مشکلات سے ہر کسی کی نسبت زیادہ آگاہ ہے، ہم تجھ سے یہ چاہتے ہیں کہ تو ہمیں اپنے فرمان کی اطاعت کی قدرت عطا فرمادے اور ہمارے فرائض، ذمہ داریوں اور فرائض انجام دینے کے لئے ہمیں توفیق اور کامیابی عطا فرما۔

چونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام کا اپنے مخلصانہ تقاضوں میں سوائے زیادہ سے زیادہ اور کامل ترین خدمت کے اور کچھ مقصد نہیں تھا لہٰذا خداوند عالم نے ان کے تقاضوں کو اسی وقت قبول کرلیا، ''اس نے کہا: اے موسیٰ تمہاری درخواستیں قبول ہیں۔'' [7]

حقیقت میں ان حساس اور تقدیر ساز لمحات میں چونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلی مرتبہ خدائے عظیم کی بساط مہمانی پر قدم رکھ رہے تھے، لہٰذا جس جس چیز کی انہیں ضرورت تھی ان کا خدا سے اکٹھا ہی تقاضا کرلیا، اور اس نے بھی مہمان کا انتہائی احترام کیا، اور اس کی تمام درخواستوں اور تقاضوں کو ایک مختصر سے جملے میں حیات بخش ندا کے ساتھ قبول کرلیا اور اس میں کسی قسم کی قید و شرط عائد نہ کی اور

---

[1] جیسا کہ سورہ مومنون کی آیہ 45 میں بیان ہوا ہے: (ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾)

[2] جیسا کہ سورہ انبیاء کی آیہ 48 میں بیان ہوا ہے: (وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً)

[3] وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿۵۳﴾ (سورہ مریم)

[4] سورہ طٰہٰ آیت 31

[5] سورہ طٰہٰ آیت 32

[6] سورہ طٰہٰ آیت 33 تا 35

[7] سورہ طٰہٰ آیت 36

موسیٰ علیہ السلام کا نام مکرر لا کر، ہر قسم کے ابہام کو دور کرتے ہوئے اس کی تکمیل کر دی، یہ بات کس قدر شوق انگیز اور افتخار آفرین ہے کہ بندے کا نام مولا کی زبان پر بار بار آئے۔

فرعون سے معرک آرا مقابلہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ماموریت کا پہلا مرحلہ ختم ہوا جس میں بتایا گیا ہے کہ انہیں وحی اور رسالت ملی اور انھوں نے اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے وسائل کے حصول کی درخواست کی۔

اس کے ساتھ ہی زیر نظر دوسرے مرحلے کے بارے میں گفتگو ہوتی ہے یعنی فرعون کے پاس جانا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنا چنانچہ ان کے درمیان جو گفتگو ہوئی ہے اسے یہاں پر بیان کیا جا رہا ہے۔

سب سے پہلے مقدمے کے طور پر فرمایا گیا ہے: اب جبکہ تمام حالات سازگار ہیں تو تم فرعون کے پاس جاؤ'' اور اس سے کہو کہ ہم عالمین کے پروردگار کے رسول ہیں''۔[1]

اور اپنی رسالت کا ذکر کرنے کے بعد بنی اسرائیل کی آزادی کا مطالبہ کیجئے اور کہئے'' کہ ہمیں حکم ملا ہے کہ تجھ سے مطالبہ کریں کہ تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے''۔[2]

وہ مصر میں گئے اور اپنے بھائی ہارون کو مطلع کیا اور وہ رسالت جس کے لیے آپؑ مبعوث تھے، اس کا پیغام اسے پہنچایا۔ پھر یہ دونوں بھائی فرعون سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئے۔ آخر بڑی مشکل سے اس کے پاس پہنچ سکے۔ اس وقت فرعون کے وزراء اور مخصوص لوگ اسے گھیرے ہوئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدا کا پیغام سنایا۔

اس مقام پر فرعون نے زبان کھولی اور شیطنت پر مبنی چند ایک جچے تلے جملے کہے جس سے ان کی رسالت کی تکذیب کرنا مقصود تھا۔ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منہ کرکے کہنے لگا:'' آیا بچپن میں ہم نے تجھے اپنے دامن محبت میں پروان نہیں چڑھایا''۔[3]

ہم نے تجھے دریائے نیل کی ٹھاٹھیں مارتی ہوئی خشمگین موجوں سے نجات دلائی وگرنہ تیری زندگی خطرے میں تھی۔ تیرے لیے دائیوں کو بلایا اور ہم نے اولاد بنی اسرائیل کے قتل کر دینے کا جو قانون مقرر کر رکھا تھا اس سے تجھے معاف کر دیا اور امن وسکون اور ناز ونعمت میں تجھے پروان چڑھایا۔

اور اس کے بعد بھی'' تو نے اپنی زندگی کے کئی سال ہم میں گزارے''۔[4]

پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایک اعتراض کرتے ہوئے کہتا ہے: تو نے وہ اہم کام کیا ہے۔ (فرعون کے حامی ایک قبطی کو قتل کیا ہے)۔[5]

یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ایسا کام کرنے کے بعد تم کیونکر رسول بن سکتے ہو؟

---

[1] سورہ شعراء آیت 16
[2] سورہ شعراء آیت 17
[3] سورہ شعراء آیت 18
[4] سورہ شعراء آیت 18
[5] سورہ شعراء آیت 19

ان سب سے قطع نظر کرتے ہوئے ''تو ہماری نعمتوں سے انکار کر رہا ہے''۔[1]

تو کئی سالوں تک ہمارے دسترخوان پر پلتا رہا ہے، ہمارا نمک کھانے کے بعد نمک حلالی کا حق اس طرح ادا کر رہا ہے؟ اس قدر کفران نعمت کے بعد تو کس منہ سے نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے؟

درحقیقت وہ بزعم خود اس طرح کی منطق سے ان کی کردار کشی کر کے موسیٰ علیہ السلام کو خاموش کرنا چاہتا تھا۔

جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی شیطنت آمیز باتیں سن کر اس کے تینوں اعتراضات کے جواب دینا شروع کیے۔ لیکن اہمیت کے لحاظ سے فرعون کے دوسرے اعتراض کا سب سے پہلے جواب دیا (یا پہلے اعتراض کو بالکل جواب کے لائق ہی نہیں سمجھا کیونکہ کسی کا کسی کی پرورش کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن جاتا کہ اگر وہ گمراہ ہو تو اسے راہ راست کی بھی ہدایت نہ کی جائے)۔

بہرحال جناب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ''میں نے یہ کام اس وقت انجام دیا جب کہ میں بے خبر لوگوں میں سے تھا''۔[2]

یعنی میں نے اسے جو مکا مارا تھا وہ اسے جان سے مار دینے کی غرض نہیں بلکہ مظلوم کی حمایت کے طور پر تھا، میں تو نہیں سمجھتا تھا کہ اس طرح اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

پھر موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں: ''اس حادثے کی وجہ سے جب میں نے تم سے خوف کیا تو تمہارے پاس سے بھاگ گیا اور میرے پروردگار نے مجھے دانش عطا فرمائی اور مجھے رسولوں میں سے قرار دیا''۔[3]

پھر موسیٰ علیہ السلام اس احسان کا جواب دیتے ہیں جو فرعون نے بچپن اور لڑکپن میں پرورش کی صورت میں ان پر کیا تھا دوٹوک انداز میں اعتراض کی صورت میں فرماتے ہیں: ''تو کیا جو احسان تو نے مجھ پر کیا ہے یہی ہے کہ تو بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنا لے''۔[4]

یہ ٹھیک ہے کہ حوادث زمانہ نے مجھے تیرے محل تک پہنچا دیا اور مجھے مجبوراً تمہارے گھر میں پرورش پانا پڑی اور اس میں بھی خدا کی قدرت نمائی کارفرما تھی لیکن ذرا یہ تو سوچو کہ آخر ایسا کیوں ہوا؟ کیا وجہ ہے کہ میں نے اپنے باپ کے گھر میں اور ماں کی آغوش میں تربیت نہیں پائی؟ آخر کس لیے؟

کیا تو نے بنی اسرائیل کو غلامی کی زنجیروں میں نہیں جکڑ رکھا؟ یہاں تک کہ تو نے اپنے خود ساختہ قوانین کے تحت ان کے لڑکوں کو قتل کر دیا اور ان کی لڑکیوں کو کنیز بنا یا۔

تیرے بے حد وحساب مظالم اس بات کا سبب بن گئے کہ میری ماں اپنے نومولود بچے کی جان بچانے کی غرض سے مجھے ایک صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کی بے رحم موجوں کے حوالے کر دے اور پھر منشائے ایزدی یہی تھا کہ میری چھوٹی سی کشتی تمہارے محل کے نزدیک لنگر ڈال دے۔ ہاں تو یہ تمہارے بے اندازہ مظالم ہی تھے جن کی وجہ سے مجھے تمہارا مرہون منت ہونا پڑا اور جنھوں نے مجھے اپنے باپ کے مقدس اور پاکیزہ گھر سے محروم کر کے تمہارے آلودہ محل تک پہنچا دیا۔

دیوانگی کی تہمت

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دوٹوک اور قاطع جواب دے دیا جس سے وہ لاجواب اور عاجز ہو گیا تو اس نے کلام کا رخ بدلا

---

[1] سورہ شعراء آیت 19

[2] سورہ شعراء آیت 20

[3] سورہ شعراء آیت 21

[4] سورہ شعراء آیت 22

اور موسیٰ علیہ السلام نے جو یہ کہا تھا ''میں رب العالمین کا رسول ہوں'' تو اس نے اسی بات کو اپنے سوال کا محور بنایا اور کہا یہ رب العالمین کیا چیز ہے؟[1]

بہت بعید ہے کہ فرعون نے واقعاً یہ بات مطلب کے لئے کی ہو بلکہ زیادہ تر یہی لگتا ہے کہ اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا تھا اور تحقیر کے طور پر یہ بات کہی تھی۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بیدار اور سمجھ دار افراد کی طرح اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ دیکھا کہ گفتگو کو سنجیدگی پر محمول کریں اور سنجیدہ ہو کر اس کا جواب دیں اور چونکہ ذات پروردگار عالم انسانی افکار کی دسترس سے باہر ہے لہٰذا انھوں نے مناسب سمجھا کہ اس کے آثار کے ذریعے استدلال قائم کریں لہٰذا انھوں نے آیات آفاقی کا سہارا لیتے ہوئے فرمایا: ''(خدا) آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم یقین کا راستہ اختیار کرو''۔[2]

اتنے وسیع وعریض اور باعظمت آسمان و زمین اور کائنات کی رنگ برنگی مخلوق جس کے سامنے تو اور تیرے چاہنے اور ماننے والے ایک ذرہ ناچیز سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتے، میرے پروردگار کی آفرینش ہے اور ان اشیاء کا خالق و مدبر اور ناظم ہی عبادت کے لائق ہے نہ کہ تیرے جیسی کمزور اور ناچیز سی مخلوق۔

لیکن عظیم آسمانی معلم کے اس قدر محکم بیان اور پختہ گفتگو کے بعد بھی فرعون خواب غفلت سے بیدار نہ ہوا اس نے اپنے ٹھٹھے مذاق اور استہزاء کو جاری رکھا اور مغرور مستکبرین کے پرانے طریقہ کار کو اپناتے ہوئے ''اپنے اطراف میں بیٹھنے والوں کی طرف منہ کر کے کہا: کیا سن نہیں رہے ہو (کہ یہ شخص کیا کہہ رہا ہے)''۔[3]

معلوم ہے کہ فرعون کے گرد کون لوگ بیٹھے ہیں اسی قماش کے لوگ تو ہیں۔ صاحبان زور اور زر ہیں یا پھر ظالم اور جابر کے معاون۔

وہاں پر فرعون کے اطراف میں پانچ سو آدمی موجود تھے، جن کا شمار فرعون کے خواص میں ہوتا تھا۔

اس طرح کی گفتگو سے فرعون یہ چاہتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی منطقی اور دلنشین گفتگو اس گروہ کے تاریک دلوں میں ذرہ بھر بھی اثر نہ کرے اور لوگوں کو یہ باور کروائے کہ انکی باتیں بے ڈھنگی اور ناقابل فہم ہیں۔

مگر جناب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی منطقی اور نپی تلی گفتگو کو بغیر کسی خوف وخطر کے جاری رکھتے ہوئے فرمایا: ''تمہارا بھی رب ہے اور تمہارے آباء واجداد کا رب ہے''۔[4]

درحقیقت بات یہ ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو آفاقی آیات کے حوالے سے استدلال کیا اب یہاں پر ''آیات انفس'' اور خود انسان کے اپنے وجود میں تخلیق خالق کے اسرار اور انسانی روح اور جسم میں خداوند عالم کی ربوبیت کے آثار کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تاکہ وہ عاقبت نااندیش مغرور کم از کم اپنے بارے میں تو کچھ سوچ سکیں خود کو اور پھر اپنے خدا کو پہچان سکیں۔

لیکن فرعون اپنی ہٹ دھرمی سے پھر بھی باز نہ آیا، اب استہزاء اور مسخرہ پن سے چند قدم آگے بڑھ جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کو

---

[1] سورہ شعراء آیت 23

[2] سورہ شعراء آیت 24

[3] سورہ شعراء آیت 25

[4] سورہ شعراء آیت 26

جنون اور دیوانگی کا الزام دیتا ہے چنانچہ اس نے کہا: ''جو پیغمبر تمہاری طرف آیا ہے بالکل دیوانہ ہے''۔[1]

وہی تہمت جو تاریخ کے ظالم اور جابر لوگ خدا کے بھیجے ہوئے مصلحین پر لگاتے رہتے تھے۔

یہ بھی لائق توجہ ہے کہ یہ مغرور فریبی اس حد تک بھی روادار نہ تھا کہ کہے ''ہمارا رسول'' اور ''ہماری طرف بھیجا ہوا'' بلکہ کہتا ہے ''تمہارا پیغمبر'' اور ''تمہاری طرف بھیجا ہوا'' کیونکہ ''تمہارا پیغمبر'' میں طنز اور استہزاء پایا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس میں غرور اور تکبر کا پہلو بھی نمایاں ہے کہ میں اس بات سے بالاتر ہوں کہ کوئی پیغمبر مجھے دعوت دینے کے لئے آئے اور موسیٰ علیہ السلام پر جنون کی تہمت لگانے سے اس کا مقصد یہ تھا کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے جاندار دلائل کو حاضرین کے اذہان میں بے اثر بنایا جائے۔

لیکن یہ ناروا تہمت موسیٰ علیہ السلام کے بلند حوصلوں کو پست نہیں کرسکی اور انھوں نے تخلیقات عالم میں آثار الٰہی اور آفاق و انفس کے حوالے سے اپنے دلائل کو برابر جاری رکھا اور کہا: ''وہ مشرق و مغرب اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا پروردگار ہے اگر تم عقل و شعور سے کام لو''۔[2]

اگر تمہارے پاس مصر نامی محدود سے علاقے میں چھوٹی سی ظاہری حکومت ہے تو کیا ہوا؟ میرے پروردگار کی حقیقی حکومت تو مشرق و مغرب اور اس کے تمام درمیانی علاقے پر محیط ہے اور اس کے آثار ہر جگہ موجودات عالم کی پیشانی پر چمک رہے ہیں اصولی طور پر خود مشرق و مغرب میں آفتاب کا طلوع و غروب اور کائنات عالم پر حاکم نظام شمسی ہی اس کی عظمت کی نشانیاں ہیں، لیکن عیب خود تمہارے اندر ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے بلکہ تمہارے اندر سوچنے کی عادت ہی نہیں ہے۔[3]

درحقیقت یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام علیہ اسلام نے اپنی طرف جنون کی نسبت کا بڑے اچھے انداز میں جواب دیا ہے۔ دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ دیوانہ میں نہیں ہوں بلکہ دیوانہ اور بے عقل وہ شخص ہے جو اپنے پروردگار کے ان تمام آثار اور نشانات کو نہیں دیکھتا۔

عالم وجود کے ہر در و دیوار پر ذات پروردگار کے اس قدر عجیب و غریب نقوش موجود ہیں پھر بھی جو شخص ذات پروردگار کے بارے میں نہ سوچے اسے خود نقش دیوار ہو جانا چاہئے۔

ان طاقتور دلائل نے فرعون کو سخت بوکھلا دیا، اب اس نے اسی حربے کا سہارا لیا جس کا سہارا ہر بے منطق اور طاقتور لیتا ہے اور جب وہ دلائل سے عاجز ہو جاتا ہے تو اسے آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔

''فرعون نے کہا: اگر تم نے میرے علاوہ کسی اور کو معبود بنایا تو تمہیں قیدیوں میں شامل کردوں گا''۔[4] میں تمہاری اور کوئی بات نہیں سننا چاہتا میں تو صرف ایک ہی عظیم الہ اور معبود کو جانتا ہوں اور وہ میں خود ہوں اگر کوئی شخص اس کے علاوہ کہتا ہے تو بس سمجھ لے کہ اس کی سزا یا تو موت ہے یا عمر قید جس میں زندگی ہی ختم ہو جائے۔

درحقیقت فرعون چاہتا تھا کہ اس قسم کی تیز و تند گفتگو کر کے موسیٰ علیہ السلام کو ہراساں کرے تاکہ وہ ڈر کر چپ ہو جائیں کیونکہ اگر بحث جاری رہے گی تو لوگ اس سے بیدار ہوں گے اور ظالم و جابر لوگوں کے لئے عوام کی بیداری اور شعور سے بڑھ کر کوئی اور چیز خطر

---

[1] سورہ شعراء آیت 27

[2] سورہ شعراء آیت 28

[3] سورہ شعراء آیت 28

[4] سورہ شعراء آیت 29

ناک نہیں ہوتی۔

تمہارا ملک خطرے میں ہے

گزشتہ صفحات میں ہم نے دیکھ لیا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے منطق اور استدلال کی رو سے فرعون پر کیونکر اپنی فوقیت اور برتری کا سکہ منوا لیا اور حاضرین پر ثابت کر دیا کہ ان کا خدائی دین کس قدر عقلی و منطقی ہے اور یہ بھی واضح کر دیا کہ فرعون کے خدائی دعوے کس قدر پوچ اور عقل و خرد سے عاری ہیں کبھی تو وہ استہزاء کرتا ہے، کبھی جنون اور دیوانگی کی تہمت لگاتا ہے اور آخر کار طاقت کے نشے میں آ کر قید و بند اور موت کی دھمکی دیتا ہے۔

اس موقع پر گفتگو کا رخ تبدیل ہو جاتا ہے اب جناب موسیٰ کو ایسا طریقہ اختیار کرنا چاہئے تھا جس سے فرعون کی ناتوانی ظاہر ہو جائے۔

موسیٰ علیہ السلام کو بھی کسی طاقت کے سہارے کی ضرورت تھی ایسی خدائی طاقت جس کے معجزانہ انداز ہوں، چنانچہ آپ فرعون کی طرف منہ کر کے فرماتے ہیں: ''آیا اگر میں اپنی رسالت کے لئے واضح نشانی لے آؤں پھر بھی تو مجھے زندان میں ڈالے گا''۔[1]

اس موقع پر فرعون سخت مخمصے میں پڑ گیا، کیونکہ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہایت ہی اہم اور عجیب و غریب منصوبے کی طرف اشارہ کر کے حاضرین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالی تھی اگر فرعون ان کی باتوں کو ان سنی کر کے ٹال دیتا تو سب حاضرین اس پر اعتراض کرتے اور کہتے کہ موسیٰ کو وہ کام کرنے کی اجازت دی جائے اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو معلوم ہو جائے گا اور اس سے مقابلہ نہیں کیا جا سکے گا اور اگر ایسا نہیں کر سکتا تو بھی اس کی شیخی آشکار ہو جائے گی بہر حال موسیٰ علیہ السلام کے اس دعوے کو آسانی سے مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا آخر کار فرعون نے مجبور ہو کر کہا ''اگر سچ کہتے ہو تو اسے لے آؤ''[2]

''اسی دوران میں موسیٰ علیہ السلام نے جو عصا ہاتھ میں لیا ہوا تھا زمین پر پھینک دیا اور وہ (خدا کے حکم سے) بہت بڑا اور واضح سانپ بن گیا''۔[3]

''پھر اپنا ہاتھ آستین میں لے گئے اور باہر نکالا تو اچانک وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید اور چمکدار بن چکا تھا''۔[4]

درحقیقت یہ دو عظیم معجزے تھے ایک خوف کا مظہر تھا تو دوسرا امید کا مظہر، پہلے میں انذار کا پہلو تھا تو دوسرے میں بشارت کا، ایک خدائی عذاب کی علامت تھی تو دوسرا نور اور رحمت کی نشانی، کیونکہ معجزے کو پیغمبر خدا کی دعوت کے مطابق ہونا چاہئے۔

فرعون نے جب صورت حال دیکھی تو سخت بوکھلا گیا اور وحشت کی گہری کھائی میں جا گرا، لیکن اپنے شیطانی اقتدار کو بچانے کے لئے جو موسیٰ علیہ السلام کے ظہور کے ساتھ متزلزل ہو چکا تھا اس نے ان معجزات کی توجیہ کرنا شروع کر دی تاکہ اس طرح سے اطراف میں بیٹھنے والوں کے عقائد محفوظ اور ان کے حوصلے بلند کر سکے اس نے پہلے تو اپنے حواری سرداروں سے کہا: ''یہ شخص ماہر اور سمجھدار جادوگر ہے''۔[5]

---

[1] سورہ شعراء آیت 31
[2] سورہ شعراء آیت 31
[3] سورہ شعراء آیت 32
[4] سورہ شعراء آیت 33
[5] سورہ شعراء آیت 34

جس شخص کو تھوڑی دیر پہلے تک دیوانہ کہہ رہا تھا اب اسے ''علیم'' کے نام سے یاد کر رہا ہے، ظالم اور جابر لوگوں کا طریقہ کار ایسا ہی ہوتا ہے کہ بعض اوقات ایک ہی محفل میں کئی روپ تبدیل کر لیتے ہیں اور اپنی انا کی تسکین کے لئے نت نئے حیلے تراشتے رہتے ہیں۔

اس نے سوچا چونکہ اس زمانے میں جادو کا دور دورہ ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات پر جادو کا لیبل لگا دیا جائے تا کہ لوگ اس کی حقانیت کو تسلیم نہ کریں۔

پھر اس نے لوگوں کے جذبات بھڑکانے اور موسیٰ علیہ السلام کے خلاف ان کے دلوں میں نفرت پیدا کرنے کے لئے کہا: ''وہ اپنے جادو کے ذریعے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا چاہتا ہے، تم لوگ اس بارے میں کیا سوچ رہے ہو اور کیا حکم دیتے ہو''۔[1]

یہ وہی فرعون ہے جو کچھ دیر پہلے تک تمام سرزمین مصر کو اپنی ملکیت سمجھ رہا تھا ''کیا سرزمین مصر پر میری حکومت اور ملکیت نہیں ہے؟'' اب جبکہ اسے اپنا راج سنگھاسن ڈوبتا نظر آ رہا ہے تو اپنی حکومت مطلقہ کو مکمل طور پر فراموش کر کے اسے عوامی ملکیت کے طور پر یاد کر کے کہتا ہے ''تمہارا ملک خطرات میں گھر چکا ہے اسے بچانے کی سوچو''۔ وہی فرعون جو ایک لحظ قبل کسی کی بات سننے پر تیار نہیں تھا بلکہ ایک مطلق العنان آمر کی حیثیت سے تخت حکومت پر براجمان تھا اب اس حد تک عاجز اور درماندہ ہو چکا ہے کہ اپنے اطرافیوں سے درخواست کر رہا ہے کہ تمہارا کیا حکم ہے نہایت ہی عاجز اور کمزور ہو کر التجا کر رہا ہے۔

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے درباری باہمی طور پر مشورہ کرنے میں لگ گئے وہ اس قدر حواس باختہ ہو چکے تھے کہ سوچنے کی طاقت بھی ان سے سلب ہو گئی تھی ہر کوئی دوسرے کی طرف منہ کر کے کہتا: ''تمہاری کیا رائے ہے؟''[2]

بہرحال کافی صلاح مشورے کے بعد درباریوں نے فرعون سے کہا: ''موسیٰ اور اس کے بھائی کو مہلت دو اور اس بارے میں جلدی نہ کرو اور تمام شہروں میں ہرکارے روانہ کر دو، تا کہ ہر ماہر اور منجھے ہوئے جادوگر کو تمہارے پاس لے آئیں''۔[3]

دراصل فرعون کے درباری یا تو غفلت کا شکار ہو گئے یا موسیٰ علیہ السلام پر فرعون کی تہمت کو جان بوجھ کر قبول کر لیا اور موسیٰ کو ''ساحر'' (جادوگر) سمجھ کر پروگرام مرتب کیا کہ ساحر کے مقابلے میں ''سحار'' یعنی ماہر اور منجھے ہوئے جادوگروں کو بلایا جائے چنانچہ انھوں نے کہا: ''خوش قسمتی سے ہمارے وسیع و عریض ملک (مصر) میں فن جادو کے بہت سے ماہر استاد موجود ہیں اگر موسیٰ ساحر ہے تو ہم اس کے مقابلے میں سحار لا کھڑا کریں گے اور فن سحر کے ایسے ایسے ماہرین کو لے آئیں گے جو ایک لمحہ میں موسیٰ کا بھرم کھول کر رکھ دیں گے''۔

ہر طرف سے جادوگر پہنچ گئے

فرعون کے درباریوں کی تجویز کے بعد مصر کے مختلف شہروں کی طرف ملازمین روانہ کر دیئے گئے اور انھوں نے ہر جگہ پر ماہر جادوگروں کی تلاش شروع کر دی ''آخر کار ایک مقررہ دن کی میعاد کے مطابق جادوگروں کی ایک جماعت اکٹھا کر لی گئی''[4]

دوسرے لفظوں میں انھوں نے جادوگروں کو اس روز کے لئے پہلے ہی سے تیار کر لیا تا کہ ایک مقرر دن مقابلے کے لئے پہنچ

---

[1] سورہ شعراء آیت 35
[2] سورہ اعراف آیت 110
[3] سورہ شعراء 35 تا 36
[4] سورہ شعراء آیت 38

جائیں۔

''یوم معلوم'' سے کیا مراد ہے؟ جیسا کہ سورہ اعراف کی آیات سے معلوم ہوتا ہے مصریوں کی کسی مشہور عید کا دن تھا جسے موسیٰ علیہ السلام نے مقابلے کے لئے مقرر کیا تھا اور اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس دن لوگوں کو فرصت ہوگی اور وہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں گے کیونکہ انہیں اپنی کامیابی کا مکمل یقین تھا اور وہ چاہتے تھے کہ آیات خداوندی کی طاقت اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کی کمزوری اور پستی پوری دنیا پر آشکار ہو جائے ''اور زیادہ سے زیادہ لوگوں سے کہا گیا کہ آیا تم بھی اس میدان میں اکٹھے ہو گے؟ [۱]

اس طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعون کے کارندے اس سلسلے میں سوچی سمجھی اسکیم کے تحت کام کر رہے تھے انہیں معلوم تھا کہ لوگوں کو زبردستی میدان میں لانے کی کوشش کی جائے تو ممکن ہے کہ اس کا منفی ردعمل ہو، کیونکہ ہر شخص فطری طور پر زبردستی کو قبول نہیں کرتا لہٰذا انھوں نے کہا اگر تمہارا جی چاہے تو اس اجتماع میں شرکت کرو اس طرح سے بہت سے لوگ اس اجتماع میں شریک ہوئے۔

لوگوں کو بتایا گیا'' مقصد یہ ہے کہ اگر جادوگر کامیاب ہو گئے کہ جن کی کامیابی ہمارے خداؤں کی کامیابی ہے تو ہم ان کی پیروی کریں گے'' [۲] اور میدان کو اس قدر گرم کر دیں گے کہ ہمارے خداؤں کا دشمن ہمیشہ ہمیشہ کے لئے میدان چھوڑ جائے گا۔

واضح ہے کہ تماشائیوں کا زیادہ سے زیادہ اجتماع جو مقابلے کے ایک فریق کے ہمنوا بھی ہوں ایک طرف تو ان کی دلچسپی کا سبب ہوگا اور ان کے حوصلے بلند ہوں گے اور ساتھ ہی وہ کامیابی کے لئے زبردست کوشش بھی کریں گے اور کامیابی کے موقع پر ایسا شور مچائیں گے کہ حریف ہمیشہ کے لئے گوشۂ گمنامی میں چلا جائے گا اور اپنی عددی کثرت کی وجہ سے مقابلے کے آغاز میں فریق مخالف کے دل میں خوف و ہراس اور رعب و وحشت بھی پیدا کر سکیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ فرعون کے کارندے کوشش کر رہے تھے کہ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں شرکت کریں موسیٰ علیہ السلام بھی ایسے کثیر اجتماع کی خدا سے دعا کر رہے تھے تاکہ اپنا مدعا اور مقصد زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچا سکیں۔

یہ سب کچھ ایک طرف، ادھر جب جادوگر فرعون کے پاس پہنچے اور اسے مشکل میں پھنسا ہوا دیکھا تو موقع مناسب سمجھتے ہوئے اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے اور بھاری انعام وصول کرنے کی غرض سے اس سے کہا:''اگر ہم کامیاب ہو گئے تو کیا ہمارے لئے کوئی اہم صلہ بھی ہوگا؟'' [۳]

فرعون جو بری طرح پھنس چکا تھا اور اپنے لئے کوئی راہ نہیں پاتا تھا انہیں زیادہ سے زیادہ مراعات اور اعزاز دینے پر تیار ہو گیا اس نے فوراً کہا:''ہاں ہاں جو کچھ تم چاہتے ہو میں دوں گا اس کے علاوہ اس صورت میں تم میرے مقربین بھی بن جاؤ گے''۔ [۴]

درحقیقت فرعون نے ان سے کہا: تم کیا چاہتے ہو؟ مال ہے یا عہدہ: میں یہ دونوں تمہیں دوں گا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ماحول اور زمانے میں فرعون کا قرب کس حد تک اہم تھا کہ وہ ایک عظیم انعام کے طور پر اس کی پیش کش کر رہا تھا درحقیقت اس سے بڑھ کر اور کوئی صلہ نہیں ہو سکتا کہ انسان اپنے مطلوب کے زیادہ نزدیک ہو۔

---

[۱] سورہ شعراء آیت 39

[۲] سورہ شعراء آیت 40

[۳] سورہ شعراء آیت 41

[۴] سورہ شعراء آیت 42